ماہنامہ

انذار

Inzaar

مدیر: ابو یحییٰ

دسمبر ۲۰۲۰

www.inzaar.pk

December 2020
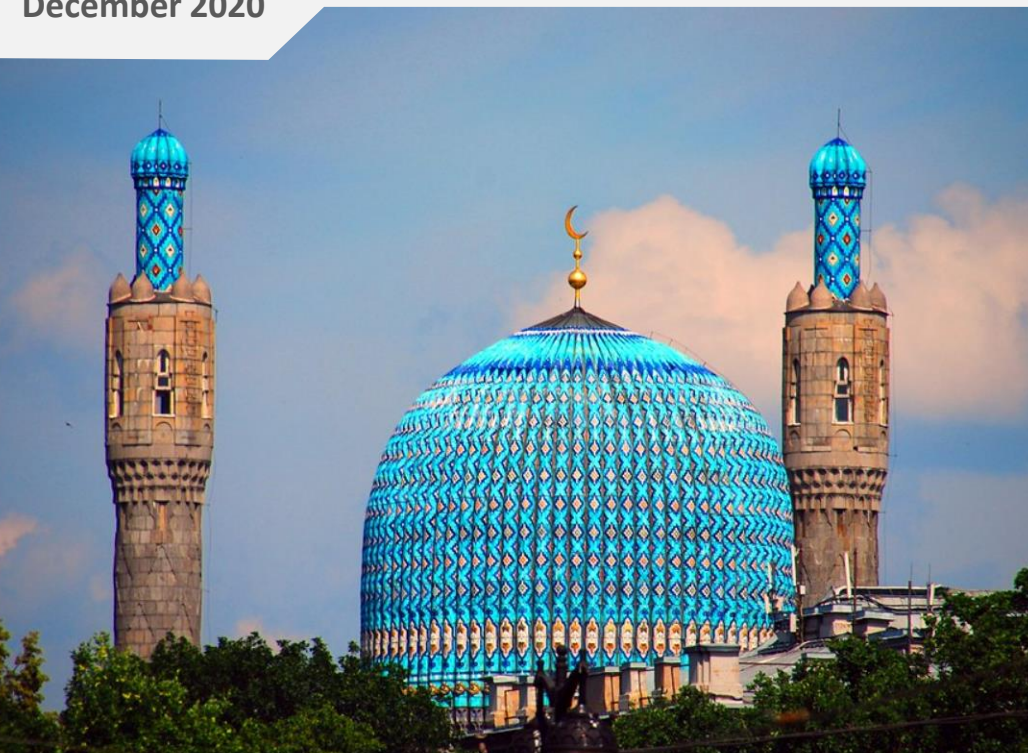
زندگی انسانی حوصلے اور مسائل کے بیچ جنگ کا نام ہے یہ جنگ انسان مسائل کی زیادتی سے نہیں حوصلے کی کمی سے ہارتا ہے

Please visit our websites to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

www.inzaar.org

www.inzaar.pk (Urdu Website)

Join us on twitter @AbuYahya_inzaar

Join us on Facebook

Abu Yahya's Official Page: facebook.com/abuyahya.inzaar

Inzaar Official Page: facebook.com/inzaartheorg

Join us on YouTube youtube.com/inzaar-global

WhatsApp Broadcast list: Please contact +92-334-1211120 from WhatsApp (Daily Msg Service-Broadcast Lists – No Groups)

To get books and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Pakistan, contact 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit ww.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to **info@inzaar.org** and info@inzaar.pk

Our material in audio form is available on USB/CD

ابو یحییٰ کی نئی کتاب

وہی رہ گزر

تھائی لینڈ اور آسٹریلیا کا دلچسپ، علمی وفکری سفرنامہ

قارئین کی خدمت میں تھائی لینڈ اور آسٹریلیا کا سفرنامہ ''وہی رہ گزر'' پیش خدمت ہے۔ اس بندہ عاجز کو اللہ تعالیٰ نے جو دماغ دیا ہے وہ سوچتا رہتا ہے اور جو طبیعت عطا کی ہے وہ چیزوں سے نتائج اخذ کرتی رہتی ہے۔ ایک بندے کو اللہ تعالیٰ اگر درست زاویہ نظر عطا کر دے تو پھر اسے ہر ملک خدا کا ملک نظر آتا ہے اور ہر جگہ سیکھنے کو بہت کچھ ملتا ہے۔ یہی صورتحال قارئین تھائی لینڈ اور آسٹریلیا کے اس سفرنامے میں پائیں گے۔

یہ سفرنامہ روداد سفر کے ساتھ افکار وخیالات کا ایک مجموعہ ہے۔ فکر وسفر کی اس روشنی میں قارئین بہت سی ایسی حقیقتیں دیکھیں گے جو گھر بیٹھے دیکھنا آسان نہیں ہے۔ ''وہی رہ گزر'' کی شکل میں یہ روشنی ان قارئین کی نذر ہے جو زندگی کو ایک سفر اور آخرت کو اس کی منزل مان کر جیتے ہیں۔

ابو یحییٰ

قیمت 350 روپے

رسالے کے قارئین رعایت کے ساتھ گھر بیٹھے حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں:

رابطہ : 0332-3051201 , 0312-2099389

ای میل: globalinzaar@gmail.com

web: www.inzaar.pk

ماہنامہ

اِنذار

دسمبر 2020ء ربیع الثانی/جمادی الاول 1442ھ

جلد 8 شمارہ 12

ابویحییٰ کے قلم سے

فی شمارہ ــــ 40 روپے
سالانہ: کراچی (بذریعہ کوریئر) 900 روپے
بیرون کراچی (نارمل پوسٹ) 600 روپے
(زرتعاون بذریعہ منی آرڈر (vp) یا ڈرافٹ)

P.O Box-7285, Karachi.
فون: 0332-3051201 , 0312-2099389
ای میل: globalinzaar@gmail.com
web: www.inzaar.pk

قوم کی قبر

دنیا بھر میں صحافت اور سیاست کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے، مگر ہمارے ملک میں اہم خبر کا نوے فی صد موضوع سیاست ہوتی ہے۔ سماج مجموعی طور پر اخبار کا موضوع نہیں ہوتا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہماری قوم سیاست اور سیاسی معاملات کو سب کچھ سمجھتی ہے۔ ہمارے لوگوں کو یہ بات معلوم ہی نہیں کہ قومی معاملات کا بیشتر انحصار ان سماجی عوامل پر ہوتا ہے جو غیر سیاسی ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہی سبب ہے کہ ہمارے ہاں غیر سیاسی میدان میں کام کا کوئی تصور نہیں۔ وہ تو اللہ بھلا کرے عبدالستار ایدھی مرحوم کا جن کی بنا پر خدمت خلق کے شعبے میں کام کے تصور سے ہمارا سماج آشنا ہوا اور تھوڑا بہت سماجی فلاح کا کام ہمارے ہاں ہوا ورنہ سوائے مسجدیں بنانے کے ہماری قوم میں نیکی کا کوئی تصور تھا ہی نہیں۔

تاہم حقیقت یہ ہے کہ سماج میں کام کرنے کے درجنوں میدان ہیں۔ ان میں اہم ترین شعبہ تعلیم و تربیت ہے۔ یہ وہ شعبہ ہے جہاں کام کر کے بہت جلد معاشرے میں تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔ بدقسمتی سے اس راہ میں مزید رکاوٹ صحافت کے شعبے کے نئے رجحانات نے ڈالنا شروع کی ہے۔ آپ مقبول آن لائن اخبارات کا کوئی بھی ایڈیشن اٹھالیں۔ ہر جگہ اداکاروں اور کھلاڑیوں کو صفحہ اول پر اس طرح نمایاں کیا جائے گا کہ اخبار پڑھنے کا مطلب اب ان ہی لوگوں کے بارے میں تفصیل جاننا بن کر رہ گیا ہے۔

کسی اداکار کو چھینک آنے سے لے کر اس کے کھانے پینے کی پسند مع تصاویر جیسی چیزیں، اخبارات کے صفحہ اول کے موضوعات ہیں۔ یہ روش ایک سیاست گزیدہ معاشرے کو مزید برباد کرنے کے مترادف ہے۔ مگر بدقسمتی سے کمرشل ازم کے مارے بزنس مین کو اس کا بالکل احساس نہیں کہ وہ اس طرح قوم کی قبر کھود رہا ہے۔ کیونکہ سیاستدان، کھلاڑی اور اداکاروں کو آئیڈیل بنانے والی قوم جلد یا بدیر دنیا میں سب سے بدتر مقام پر آجاتی ہے۔

دھماکے کے بعد

6 اگست 1945 کے دن ایک امریکی بمبار طیارے نے جاپان کے شہر ہیروشیما پر دنیا کا پہلا ایٹم بم پھینکا۔ بم پھٹتے ہی شہر دھوئیں اور ملبے کے ڈھیر میں بدل گیا اور لمحہ بھر میں 80 ہزار لوگ مارے گئے۔ بعد میں مرنے والوں کی تعداد کہیں زیادہ تھی۔ تین دن بعد ناگاساکی پر ایٹمی حملہ ہوا اور ایسی ہی تباہی نے دوبارہ جنم لیا۔

دھماکے ہمیشہ تباہی پھیلاتے ہیں۔ ایٹمی حملے کے یہ دو واقعات اس کی سادہ ترین مثالیں ہیں۔ 11 ستمبر 2001 کے دن ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر جو حملہ ہوا، اس میں اس عظیم عمارت کو دھوئیں اور ملبے کا ڈھیر بنتے ہوئے پوری دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ یہ تمام واقعات اس حقیقت کی یاددہانی ہیں کہ دھماکے سے نظم تباہ ہوتا ہے، کبھی کوئی نظم یا تعمیر وجود میں نہیں آتا۔

مگر یہ بڑی عجیب بات ہے کہ جس کائنات میں یہ انسان جیتا ہے اس کے متعلق سائنسدان بتاتے ہیں کہ یہ ایک ناقابل تصور حد تک عظیم دھماکے (Big Bang) سے وجود میں آئی۔ مگر حیرت انگیز طور پر اس دھماکے کے بعد نظم و ترتیب (Order) اور تعمیر نے جنم لیا۔ کائنات کو بنانے والی قوتیں پہلے لمحے ہی میں اپنے کام میں لگ گئیں۔ ایٹم کو بنانے والے ذروں کی پیدائش سے یہ عمل شروع ہوا اور رفتہ رفتہ ستارے اور سیارے وجود میں آئے اور زمین جیسا سیارہ آج موجود ہے جہاں تقریباً 87 لاکھ انواع حیات موجود ہیں۔

بگ بینگ دھماکے سے پیدا ہونے والے نظم و ترتیب اور زندگی کی ایک ہی وجہ ہے۔ وہ یہ کہ اس دھماکے کے پیچھے ایک منظّم ارادہ اور شعور موجود ہے۔ ایک ایسی ہستی جو بہت طاقتور، علیم اور ہر چیز پر قدرت رکھنے والی ہے۔ ہماری یہ کائنات اپنے خالق کا سب سے بڑا تعارف ہے۔ یہ اس کی موجودگی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ بگ بینگ سے جنم لینے والا نظم و ترتیب اسی سچائی کا اظہار ہے جسے کوئی سلیم الفطرت انسان نہیں جھٹلا سکتا۔

شکرگزاری

حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا شمار ان انبیا میں ہوتا ہے جن کو پیغمبری کے ساتھ بادشاہت بھی ملی۔ جبکہ حضرت داؤد کو زبور جیسی کتاب بھی ملی جس میں موجود بندگی اور حمد کے مزامیر کے متعلق قرآن مجید بتاتا ہے کہ جب وہ اللہ کی حمد کرتے تو پہاڑ اور پرندے ان کے ساتھ شامل ہوکر اللہ کی پاکی اور تعریف بیان کرتے تھے۔

ان دو عظیم پیغمبروں کا اقتدار عام بادشاہوں کا اقتدار نہ تھا بلکہ ان دونوں کی داستان انتہائی غیر معمولی ہے۔ حضرت داؤد نوجوانی میں بکریاں چراتے تھے۔ ان کی قوم ایک جنگ میں مشرکوں کے ساتھ برسرِ پیکار تھی کہ وہ اپنے بھائیوں کو کھانا دینے میدان جنگ آ پہنچے۔ یہ وہ وقت تھا کہ مشرکوں کا سردار جالوت ان کی قوم کو میدان جنگ میں کھڑا ہوکر للکار رہا تھا، مگر کوئی اس سے مقابلے کی ہمت نہ کر سکا۔

یہ دیکھ کر حضرت داؤد کی غیرت جوش میں آئی اور وہ بغیر نیزے تلوار کے اس کے مقابلے میں آ گئے۔ انھوں نے غلیل کی طرح پتھر پھینکنے والے معمولی سے ہتھیار سے تاک کر ایک پتھر اس کی پیشانی پر اس طرح مارا کہ سرتا پاؤں لوہے میں غرق جالوت فوراً مر گیا۔ یوں وہ قوم کی آنکھ کا تارا بن گئے اور بادشاہ نے اپنی بیٹی سے ان کی شادی کر دی۔

بادشاہ بننے کے بعد حضرت داؤد نے پہلی دفعہ بنی اسرائیل کی ایک عظیم سلطنت قائم کی۔ اللہ تعالیٰ نے لوہے کو ان کے لیے اس طرح نرم کر دیا تھا کہ اس کی مدد سے انھوں نے کشادہ زرہیں تیار کر کے کر اپنی فوجوں کو ناقابل تسخیر بنا دیا تھا۔ کیونکہ ان زرہوں کو پہن کر فوجی تیزی سے حرکت کرنے کے قابل رہتے تھے۔ یوں وہ مخالفین کو مار سکتے تھے، مگر وہ ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا پاتے تھے۔

حضرت داؤد کے چالیس سالہ دور اقتدار کے بعد حضرت سلیمان تخت نشین ہوئے اور چالیس برس تک ہی حکومت کی۔ ان کے دور میں شام، فسلطین، شرق اردن اور ارد گرد کے تمام علاقوں میں ان کا اقتدار قائم ہوگیا۔ ان کے بادبانی جہاز بحر روم اور بحر احمر پر راج کرتے تھے۔ ان کی خدمت کے لیے غیر معمولی انسانوں، جنوں اور پرندوں کے لشکر موجود رہتے۔ وہ پرندوں اور جانوروں کی گفتگو تک سمجھ سکتے تھے۔ ان کے دور میں ہیکل سلیمانی اپنی تمام تر عظمت کے ساتھ تعمیر ہوا جو مسجد الحرام کے بعد دوسری مسجد تھی۔

تقریباً ایک صدی پر محیط اس عظیم اقتدار کا خصوصی وصف یہ تھا کہ دونوں باپ بیٹے اللہ تعالیٰ کے بے حد شکر گزار تھے۔ دل سے خدا کی بڑائی کا اقرار، زبان پر اس کی عظمت، محبت اور شکر گزاری کے چرچے، ذہنی، جسمانی اور مالی انعامات کو اس کے بندوں پر خرچ کرنا، خدا کے دین کی خدمت اور نصرت، اللہ کی بندگی اور عبادت ان کی زندگی کا معمول تھی۔ ان سب کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں مسلسل رجوع، استغفار، دعا وزاری اور شکر گزاری ان کی زندگی تھی۔

یہی شکر گزاری کا اصلی ماڈل ہے جو ہر انسان کو دو باتیں بتاتا ہے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری، دل ودماغ، قول وفعل اور اپنے تمام تر وجود کے ساتھ کیسے کی جاتی ہے۔ دوسری یہ کہ شکر گزاروں کو اللہ تعالیٰ کیسے اسی دنیا میں نوازتے ہیں۔

اس بات کو سمجھنا اس لیے ضروری ہے کہ شکر گزاری کو مذکورہ بالا تمام پہلوؤں سے ادا کرنا انتہائی مشکل کام ہے۔ نعمت کی یہ تاثیر ہوتی ہے کہ وہ جیسے ہی ملتی ہے، انسان میں غفلت اور مزید پانے کی حرص پیدا کرتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں انسان کو شکر گزاری کے تقاضے پورے کرنے سے روک دیتی ہیں۔ مگر ان عظیم پیغمبروں نے یہ سکھایا ہے کہ انسان اللہ سے مخلص ہو تو بادشاہ بن کر بھی غافل نہیں رہتا۔ یہی وہ شکر گزاری ہے جو کل انسان کو جنت کی ابدی بادشاہی میں لے جانے کا سبب بنے گی۔

تبدیلی

پرانے زمانے میں بچے تختیوں اور سلیٹ پر لکھا کرتے تھے۔ان کے استعمال کا سب سے بڑا فائدہ یہ تھا کہ بچے پرانی تحریر، تصویر اور خاکہ باآسانی مٹا کر نئی تحریر، تصویر اور خاکہ بنا لیتے تھے۔ یہ تختی اور سلیٹ اس امتحان کی ایک بہت اچھی تمثیل ہے جس میں اس دنیا میں انسانوں کو ڈالا گیا ہے۔اس دنیا میں انسان کا امتحان ہے وہ اپنی ماضی میں بنی شخصیت کو مٹا کر صفحہ دل پر ایسی نئی شخصیت کا خاکہ بناتا ہے یا نہیں جو خدا کے مطلوب معیار کے مطابق ہو۔ جو انسان اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ قرآنی معیار کے مطابق اپنی نئی شخصیت بنا پاتا ہے وہی جنت کی ابدی بادشاہی کا مستحق ہے۔

نئی شخصیت کی تعمیر کی پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ انسان قرآن کے معیار کے مطابق ایمان لائے جو اللہ، آخرت، رسالت، ملائکہ اور کتابوں پر ایمان سے عبارت ہے۔اس ایمان کی اساس اس حقیقت کو ماننا ہے کہ موت زندگی کا خاتمہ نہیں بلکہ ابدی زندگی کا آغاز ہے۔اس کی دوسری اساس ان اعمال صالحہ کو زندگی بنانا ہے جو دراصل اللہ اور بندوں کے حقوق کا نام ہے۔اس کی تیسری اساس اللہ کے قانون یا شریعت کے احکام کو ماننا ہے۔ مثلاً وراثت، نکاح، طلاق یا عبادات میں مقررہ قانون کی پیروی کرنا۔

عام طور پر ہمارے ہاں تیسری اور دوسری اساس کو تبدیلی کی اصل بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ جبکہ ایمان کی پہلی اساس کو ہم پیدائشی اقرار کا معاملہ سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ایمان تبدیلی کی پہلی اور بنیادی اساس ہے۔مگر یہ ایمان کسی رسمی اقرار کا نام نہیں، یہ اپنی پرانی نفسیات کو بدل کر نئی نفسیات میں جینے کا نام ہے۔

حقیقی ایمان کس طرح انسانی نفسیات کو بدلتا ہے اس کی سب سے اعلیٰ مثال صحابہ کرام کی

ہے۔ یہ لوگ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی اولاد تھے، مگران کے درمیان پچھلے ڈھائی ہزار برس سے کوئی پیغمبر نہیں آیا تھا۔ جس کے نتیجے میں ایک طرف ان لوگوں نے اللہ کے گھر کو بت خانہ بنادیا تھا اور دوسری طرف آخرت سے متعلق ان کے بنیادی تصورات بھی ٹھیک نہ تھے۔

مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان لوگوں نے آپ کی دعوت پر ایمان قبول کیا تو ان کے لیے یہ ایک نئی زندگی اختیار کر لینے کا نام تھا۔ اس زندگی میں اللہ تعالیٰ کی ہستی ایک زندہ و جاوید وجود تھی جس کی موجودگی کے احساس سے وہ تنہائی میں بھی غافل نہیں رہتے تھے۔ آخرت کی زندگی ان کے لیے اتنی یقینی تھی کہ وہ ہر معاملے میں یہ سوچنے کے عادی ہو چکے تھے کہ کسی کام کا آخرت میں کیا نتیجہ نکلے گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی ان کے لیے ایک ایسا مرجع تھی جس کی نافرمانی کا کوئی تصور ان کے ذہن میں نہیں آسکتا تھا۔

آج کے مسلمان جو پیدائشی طور پر مسلمان ہوتے ہیں، ان کے لیے کرنے کا سب سے بڑا کام اس ایمان کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ ایمان کے معاملے میں ان کا اصل ہدف چند اعتقادات کو ماننا نہیں بلکہ قرآن مجید میں بیان کردہ ایمانیات کو اپنی نفسیات کا زندہ حصہ بنانا ہے۔ اس طرح کہ ان کے دل کے خیالات اور تنہائی بھی یادِ رب سے آباد رہے۔ آخرت کی زندگی انھیں موجودہ دنیا سے زیادہ یقینی لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت اور سنت کے سامنے سر جھکانا ان کی فطرت بن جائے۔ قرآن مجید کی شکل میں انھیں خدا بولتا ہوا نظر آئے اور خدا کے فرشتے ہر سمت اس کی فرمانبرداری میں مصروف دکھائی دینے لگیں۔

یہی وہ ایمان ہے جس کے ساتھ پچھلے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور آگے کی زندگی میں اعمال صالحہ کی توفیق ملتی ہے۔ یہی ایمان انسان میں آنے والی تبدیلی کی اصل پہچان ہے۔

تقدیر کا مسئلہ

تقدیر کو سمجھنے میں لوگوں کو بڑی الجھنیں پیش آتی ہیں۔ حالانکہ تقدیر بہت سادہ حقیقت کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کے خالق ہیں۔ مخلوقات کو اپنی بقا و زندگی کے لیے سامان زندگی کی ضرورت ہوتی ہے۔ تقدیر اسی سامان زندگی کی فراہمی کا وہ اندازہ ہے جو پہلے ہی فرشتوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے تاکہ مخلوقات کی ضرورت کی ہر چیز وقت سے پہلے موجود ہو۔ مثال کے طور پر پانی جانداروں کی ضرورت ہے، اس لیے ان کی پیدائش سے قبل ہی زمین پر بڑی مقدار میں پانی کا انتظام کر دیا گیا تھا۔ میٹھا پانی زمین کے باسیوں کی ضرورت ہے، اس لیے بادلوں اور بارشوں کا سلسلہ بہت پہلے اور بڑے پیمانے پر پیدا کر دیا گیا۔

ہم انسانوں کے لیے اس بات کو سمجھنا بالکل مشکل نہیں ہے۔ ہم بھی ایسے ہی منصوبے اپنے اندازے سے بناتے ہیں۔ ہم جب کوئی گھر بنانا چاہتے ہیں تو اس کے لیے ہر طرح کی معلومات حاصل کرتے ہیں۔ جس سے ہمیں اندازہ ہو جاتا ہے کہ گھر کی تعمیر میں کتنی رقم، وقت، محنت اور وسائل کی ضرورت ہوگی اور پھر ہم اس لحاظ سے ایک منصوبہ بناتے ہیں۔

البتہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ انھیں کسی سے مشورے کی ضرورت ہے اور نہ ان کے لیے کوئی چیز غیر متوقع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ اپنے علم اور قدرت سے جان لیتے ہیں اور جو چاہتے ہیں، کر دیتے ہیں۔ وہ چیزوں کے آغاز کے ساتھ ہی ان کے انجام سے واقف ہو جاتے ہیں۔ اس لیے نہ ان کا اندازہ غلط ہوتا ہے اور نہ ان کے لیے یہ کوئی مسئلہ ہے کہ وہ مخلوقات کی پیدائش سے قبل ہی ان کی ضروریات کا انتظام کر دیں۔

تاہم تقدیر کے حوالے سے اصل سوال وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں انسان زیر بحث آتے ہیں۔ انسان کو ایک طرف آزاد اور خود مختار کہا گیا ہے اور دوسری طرف یہ کہا جاتا ہے کہ وہ تقدیر کے آگے بے بس اور مجبور ہے۔ یہ وہ الجھن ہے جو اکثر لوگوں کو پریشان کیے رکھتی ہے۔ اس میں اصل سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر تقدیر طے ہے تو ہمارے عمل کی کیا حیثیت ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ انسانی عمل دو طرح کے نتائج پیدا کرتا ہے۔ ایک نتیجہ آخرت

کے پہلو سے پیدا ہوتا ہے۔ یعنی جب کوئی شخص اللہ کی رضا اور مرضی کا کام کرے گا تو وہ آنے والی دنیا میں جنت کا انعام پائے گا۔ اس معاملے میں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ انسان کو اس بات کی مکمل آزادی ہے کہ وہ جو چاہے عمل کرے اور آنے والی دنیا میں اپنی جو تقدیر چاہے، بنائے۔ اہل جنت کے عمل کرے اور جنت میں جگہ بنائے یا پھر اہل جہنم کے عمل کرے اور جہنم میں جگہ بنائے۔ اللہ تعالیٰ اس معاملے میں کوئی مداخلت نہیں کرتے بلکہ کوئی نیک عمل حالات کی وجہ سے نہ کر سکے، مگر نیت اسے کرنے کی ہو تو اس کا بدلہ بھی انسان کو دیا جائے گا۔ چنانچہ یہاں پر انسان کی تقدیر تمام تر اس کے اپنے ہاتھ میں دے دی گئی ہے۔

رہا خدا کا علم تو وہ انسان کے عمل کے ہونے سے پہلے جان لینے کا نام ہے۔ خدا کو یہ علم نہ ہو تو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ انسان کوئی عمل اس علم کی وجہ سے کرتے ہیں۔ بلکہ معاملہ الٹا ہے۔ یعنی خدا کا علم انسانوں کے عمل سے وجود میں آتا ہے۔ یہ کسی خدائی جبر کا بیان نہیں جس کے تحت ہم عمل کرتے ہوں۔

انسان کے عمل کا دوسرا نتیجہ موجودہ دنیا کے لحاظ سے پیدا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک طالب علم محنت کرے گا تو امتحان میں کامیابی حاصل کرے گا، محنت نہیں کرے گا تو ناکام ہوگا۔ اس معاملے میں بھی عام طور پر نتیجہ عمل کے لحاظ سے نکلتا ہے۔ مگر اس دنیا میں چونکہ انسانوں کا امتحان لیا جا رہا ہے، اس لیے بعض اوقات عمل کا نتیجہ نہیں نکلتا یا پھر عمل کے بغیر بھی کوئی نتیجہ نکل آتا ہے۔ انسان محنت کے باوجود پانے میں ناکام رہتا ہے اور کبھی کچھ کیے بغیر بہت کچھ پا لیتا ہے۔

اس پہلو سے بھی انسان کی تقدیر اصلاً اس کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ بعض اوقات اس کی کوششوں کا نتیجہ نہیں نکلتا، مگر یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ اس طرح کی چیزوں کا اس کی آخرت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اسی طرح وہ واقعات جو اس کی مرضی کے بغیر وقوع پذیر ہو چکے ہوں جیسے انسان کا کسی خاص زمانے میں پیدا ہونا، کسی خاص خاندان میں پیدا ہونا وغیرہ، ان سب کا بھی اس کی آخرت سے کوئی تعلق نہیں اور نہ قیامت کے دن اس سے اس حوالے سے کچھ پوچھا جائے گا۔ یہی معاملہ زندگی میں پیش آنے والے دیگر اچھے برے حالات کا ہے۔

اس پس منظر میں البتہ یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ ایسا ہوتا ہی کیوں ہے تو اس کا جواب یہ ہے

کہ یہ اچھے برے حالات اور زندگی کی کامیابیاں اور ناکامیاں ہی وہ چیز ہیں جو انسان کے لیے امتحان کا ماحول تخلیق کرتی ہیں۔ ناکامیوں کے باوجود اگر ایک شخص حوصلہ نہیں ہارتا، مایوس نہیں ہوتا اور صبر سے کام لیتا ہے تو وہ اپنے نیک ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔ اس کے برعکس اگر ایک شخص اچھے حالات پا کر سرکش ہو جاتا ہے، کامیابیاں اسے متکبر بنا دیتی ہیں تو ایسا شخص مجرم ہے۔

ایک آخری سوال جو اکثر ایسے لوگ کرتے ہیں جنھیں زندگی میں مسلسل ناکامیاں، محرومیاں اور مایوسیاں ملی ہوں کہ آخر ان کو وہ پرچہ امتحان دیا ہی کیوں گیا ہے جو ان کے لیے اتنا مشکل ثابت ہو۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ محرومی کا پرچہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک آسان پرچہ ہے۔ اس میں سرکشی اور ظلم کا امکان نسبتاً بہت کم ہوتا ہے جبکہ محرومی اور دکھ کسی عمل کے بغیر بھی اپنی ذات میں ایک اجر اور بدلہ رکھتے ہیں۔ اس کے برعکس جن لوگوں کو زیادہ ملا ان کی طرف سے ظلم، سرکشی اور غفلت کا امکان کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ نیز ایسے لوگوں کا احتساب بھی کڑا ہوگا اور ان کو بہت سی اضافی نیکیاں کر کے اپنے نامہ اعمال کو اس قابل بنانا ہوگا کہ وہ جنت میں جا سکیں۔

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں نے دیگر مخلوقات کے مقابلے میں آگے بڑھ کر یہ امتحان خود قبول کیا تھا۔ قرآن مجید سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان اس زندگی سے پہلے ایک ساتھ پیدا کیے گئے تھے۔ اس واقعے کو عام طور پر عہد الست کہا جاتا ہے۔ قرآن کے اشارات سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا میں جو اچھے یا برے کردار اور حالات پیش آتے ہیں، ان کا انتخاب بھی انسانوں نے اس دنیا میں آنے سے قبل عہد الست کے موقع پر خود کر لیا تھا۔ اس معاملے پر ہم نے اپنے ناول 'جب زندگی شروع ہوگی' میں روشنی ڈالی ہے اور نئے آنے والے ناول ''ادھوری کہانی'' میں اس کو تفصیل سے موضوع بنایا ہے۔

چنانچہ یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر کسی بھی پہلو سے کوئی جبر نہیں کیا ہے۔ یہ دنیا انسان کا امتحان ہے۔ مگر اول تا آخر یہاں انسانوں کا اپنا اختیار اور مرضی کام کر رہی ہے۔ یہی وہ اختیار و ارادہ ہے جس کا صحیح یا غلط استعمال قیامت کے دن انسان کی جزا و سزا کا سبب بنے گا۔

ابو یحییٰ

اسلام اور لونڈی غلام (6)

لونڈی اور غلاموں کے حوالے سے اس سلسلہ تحریر میں ہم ابھی تک یہ دیکھ چکے ہیں کہ اسلام نے کس طرح غلامی کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ ہم نے یہ بھی واضح کرنے کی کوشش کی تھی کہ آج کل کے بعض سادہ مزاج لوگوں کا یہ خیال کہ اسلام ایک حکم جاری کرتا اور سارے لونڈی غلام آزاد ہو جاتے، اُس دور کے لحاظ سے کس درجہ ناقابل عمل تھا۔

کیا لونڈی غلاموں کا تصور موجودہ Sex Trafficking جیسا ہے؟

آج ہم اس حوالے سے ایک اور اہم سوال کا جواب دینے کی کوشش کریں گے۔ یہ وہ معاملہ ہے جو آج کل کے بعض تعلیم یافتہ لوگوں کی ایک غلط فہمی سے پیدا ہوتا ہے۔ یعنی وہ اُس دور کی غلامی کو موجودہ دور میں پائی جانے والی جبری جنسی تجارت (Sex Trafficking) سے مشابہہ سمجھتے ہیں۔ Sex Trafficking میں مختلف شہروں اور ممالک سے خوبصورت اور جوان لڑکیوں کو اغوا، دھوکا، خرید وفروخت وغیرہ سے حاصل کر کے انھیں جبری جسم فروشی پر مجبور کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ اس Sex Trafficking کو لونڈیوں کے مالکوں کو ان کے ساتھ جنسی تعلق کی اجازت جیسا سمجھتے ہیں۔

اس کے بعد جب یہ اجازت وہ قرآن میں پاتے ہیں، جس کے حوالے ہم نے اس سلسلہ تحریر کے شروع میں دیے تھے کہ اسلام لونڈیوں کے مالک کو ان سے تمتع کی اجازت دیتا ہے تو وہ اس کو Sex Trafficking جیسا ظلم سمجھ کر اسلام سے برگشتہ ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ اس حوالے سے اس بات کا واضح کیا جانا ضروری ہے کہ Sex Trafficking

اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک بالکل جدا چیز ہے۔ اس قبیح اور بدترین کام میں کسی لڑکی کو اغوا کرنے یا دھوکا اور خرید و فروخت سے اسے حاصل کرنے کے پیچھے اصل مقصد اس لڑکی کا جنسی تجارت کے لیے استعمال کیا جانا ہوتا ہے۔ ایسی لڑکی کا مقدر یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنی آزادی کھونے کے بعد ساری جوانی روپے پیسے کے حامل ان گنت ہوس پرستوں کی ہوس کا نشانہ بنتی رہے۔

جبکہ غلامی کے ادارے کے متعلق ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ اصلاً زمانہ قدیم میں وہی جگہ لے چکا تھا جو موجود دور میں سروس انڈسٹری کو حاصل ہے۔ لونڈی غلاموں کا اصل مقصد گھر، تجارت اور پیداواری شعبوں میں مالکوں کی خدمت کرنا ہوتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کچھ امرا خوبصورت لونڈیوں کو عیاشی کے مقصد کے لیے بھی خریدتے تھے، مگر Sex Trafficking اور ان کے اس عمل میں بھی کم از کم یہ فرق ضرور موجود تھا کہ وہ اپنی لونڈیوں کو تجارتی مقاصد سے جبری جنسی مشقت میں نہیں ڈالتے تھے۔ یہ عمل زمانہ قدیم میں بھی منکر اور برا سمجھا جاتا تھا۔ ان لونڈیوں سے ان کے مالک ہی تمتع کیا کرتے تھے۔

اسلام کا اصل کارنامہ

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہے کہ سیکس ٹریفکنگ کا موجودہ ظالمانہ معاملہ اور زمانہ قدیم میں لونڈی غلاموں کا گھروں میں پایا جانا اپنی نوعیت کے لحاظ سے دو جدا چیزیں ہیں۔ تاہم جس چیز نے اسلام کو بالکل ممتاز کر دیا ہے، وہ یہ کہ اسلام نے غلامی کے خاتمے کو اپنا مسئلہ بنایا اور مختلف اقدام اٹھاتے ہوئے آخر کار غلاموں کی آزادی کی کنجی ان کے ہاتھ میں دے دی۔

اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے، مگر اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام نے نئی غلامی کا راستہ بند کیا۔ ان کے مالکوں اور عام لوگوں کو ابھارا کہ وہ ان کو آزاد کریں اور کروائیں۔ جن کے پاس لونڈی غلام ہوں ان کو تلقین کی کہ وہ انھیں اچھی حالت میں رکھیں۔ اس ضمن میں اسلام کا آخری

انقلابی قدم یہ تھا کہ اس نے لونڈی غلاموں کی تقدیر ان کے ہاتھ میں دے دی۔ یہ مکاتبت کا قانون کہلاتا ہے جو سورۃ النور میں اس طرح بیان ہوا ہے۔

''اور تمھارے مملوکوں میں سے جو مکاتبت چاہیں، ان سے مکاتبت کرلو، اگر تم ان میں بہتری پاؤ۔ اور انھیں اس مال میں سے دو جو اللہ نے تمھیں عطا فرمایا ہے۔'' (النور 24:33)

مکاتبت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی لونڈی یا غلام اپنے مالک کو کچھ پیسے دے کر یا کوئی اور خدمت بجالا کر اس کے عوض اپنی آزادی کو خود حاصل کر لے۔ ساتھ میں مسلمانوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ ایسے لونڈی غلاموں کی مالی مدد کریں تا کہ وہ آزادی حاصل کر سکیں۔ اس کے علاوہ '' فی الرقاب '' یعنی گردنیں چھڑانے (اس سے مراد غلاموں کو آزاد کرانا ہے) کی شکل میں مصارف زکوٰۃ میں غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے با قاعدہ ایک مد مقرر کر دی گئی۔

چنانچہ مدینہ کے اُس معاشرے میں جہاں لوگ مال لیے پھرتے تھے اور زکوٰۃ لینے والا کوئی نہیں ہوتا تھا، وہاں غلاموں کے لیے آزادی کا حصول کوئی مسئلہ نہ تھا۔ اس کے بعد بھی غلام آزاد نہیں ہوتے تھے تو اس کی دو وجوہات تھیں۔ ایک وجہ اسی آیت میں بیان کر دی گئی ہے۔ یعنی بعض غلاموں کی زندگی غلامی کی پستی میں گزرتی تھی اور یہ غلامی ان میں اخلاقی کمزوریاں پیدا کرنے کا باعث بن جاتی تھی۔ اسی طرح بعض غلام ساری زندگی غلام رہ کر نفسیاتی طور پر اس قابل ہی نہیں رہ پاتے تھے کہ ایک آزاد و خود مختار زندگی جس میں کھانے، کمانے کی ساری ذمہ داری اپنی ہوتی ہے، گزار سکیں۔ ایسے لوگوں کو آزادی دینے کا مطلب معاشرے میں ایک ممکنہ فسادی، بھکاری یا طوائف کا اضافہ کرنے کے مترادف تھا۔ چنانچہ مالکوں کو متنبہ کیا گیا کہ ایسے لوگوں کی آزادی سے قبل ان میں بہتری آنے کو یقینی بنائیں۔

دوسری زیادہ اہم وجہ یہ تھی کہ اسلام نے مالکوں کو اس بات کا پابند کر دیا تھا کہ وہ اپنے لونڈی

غلاموں سے بہترین سلوک کریں گے۔جس کے بعد غلاموں کے لیے مالکوں کے گھر میں رہ کر زندگی گزارنا بہت آسان ہوگیا تھا۔سر چھپانے کو چھت،کھانے پینے کو خوراک، پہننے کو لباس کے علاوہ ان کے مالک ان کے ساتھ ماضی کے برعکس بہت بہتر معاملہ کرنے لگے تھے۔

اب غلاموں کے پاس دو راستے تھے۔ ایک یہ کہ وہ آزادی کو حاصل کریں اور ایک آزاد وخودمختار زندگی گزاریں۔ظاہر ہے کہ اس زندگی کی ایک قیمت تھی جو دینی پڑتی تھی۔وہ یہ کہ ساری زندگی کمانے اور گھر چلانے کی ذمہ داری اپنی تھی۔دوسری طرف یہ راستہ تھا کہ مالکوں کے ہاں جو خدمت سرانجام دینی ہے وہ دیتے رہیں اور ان کے مالک ان کی ساری ذمہ داریاں اٹھاتے رہیں۔

ایک ایسے دور میں جب آزادی کو آج کے دور کی طرح کوئی بنیادی انسانی قدر اور ضرورت نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ ضرویات زندگی کا حصول ایک زیادہ مشکل کام تھا، بہت سے غلاموں کے لیے یہ آسان راستہ تھا کہ وہ مالکوں کے تحت ایک اچھی اور آسودہ زندگی گزاریں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے آج کل بڑی کمپنیاں نہ صرف ملازموں کو اچھی تنخواہ دیتی ہیں بلکہ رہائش اور سواری بھی فراہم کرتی ہیں۔ایسی ملازمتیں آج لوگوں کا خواب ہیں۔اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ بہت سارے غلاموں کے لیے اُس دور میں اچھے مالکوں کا وجود ایسا ہی ہوتا ہوگا۔وہ اپنے مالکوں کے گھر میں ان کے ذاتی کام اور زرعی اور تجارتی معاملات میں ان کے لیے مختلف خدمات سرانجام دے کر ہی ایک اچھا معیار زندگی پالیتے ہوں گے۔جس کے بعد غلامی سے نکلنا ان کا مسئلہ نہیں رہ جاتا تھا۔

البتہ یہ سوال بہرحال باقی ہے کہ مالکوں کا لونڈیوں سے جنسی تعلق قائم کرنا کیا ان پر جبر تھا؟ اس سوال کا جواب ہم ان شاء اللہ اگلی قسط میں دیں گے۔

سوال و جواب

ابو یحییٰ

شرک کی خرابی

سوال: السلام علیکم۔

سر امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ یوٹیوب پر میں نے ایک غیر مسلم کو ڈاکٹر ذاکر نائیک سے ایک سوال پوچھتے ہوئے سنا کہ آپ مسلمانوں کا خدا اپنے ساتھ شریک کرنے کو بہت بڑا جرم اور گناہ قرار دیتا ہے۔ اگر ہم انسانوں کو دیکھیں تو ہم کم ظرف ہیں لیکن خدا تو بہت اعلیٰ ظرف کا مالک ہے تو خدا اپنے ساتھ کیوں کسی کو برداشت نہیں کرتا۔ ہم انسان جیلس ہو سکتے ہیں۔ کیا نعوذ باللہ خدا کا بھی یہ معاملہ ہے حالانکہ وہ تو بڑا رؤف و رحیم ہے۔ اس معاملے میں اس کا غضب کیوں؟ شاہزیب عبدالستار

جواب: السلام علیکم۔ امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔

یہ معاملے کو سمجھنے کی درست تعبیر نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ معاذ اللہ جلن جیسے انسانی جذبے کا شکار ہو کر شرک کی مذمت کرتے ہیں اور اس وجہ سے شرک کے حوالے سے اتنے سخت ہیں۔ شرک ایک ایسی برائی ہے جو اپنے اندر دس طرح کے اخلاقی مسائل رکھتی ہے۔ اصول یہ ہے کہ اخلاقی طور پر ناپاک انسان جنت میں نہیں جا سکتا۔ اسی پس منظر میں قرآن مجید میں شرک کی مذمت آئی ہے اور اس سے سختی سے روکا گیا ہے۔

اب یہ سمجھ لیں کہ شرک میں کس طرح کے اخلاقی مسائل ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ جب ہم غیر اللہ کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں تو یہ ایک بدترین جھوٹ ہی نہیں بلکہ خدا کی تصغیر کا عمل بھی ہے۔ یہ خدا کو مخلوق جیسا قرار دینا ہے۔ ایک عظیم ہستی کو معمولی ہستی سے ملانا ہے۔ قادر مطلق کو

عاجز مطلق بنانا ہے۔ چنانچہ شرک بیک وقت جھوٹ، بہتان، گستاخی اور خدا کی توہین کرنے کا عمل ہے۔ چنانچہ شرک کرکے ایک انسان بیک وقت جھوٹا، بہتان طراز اور گستاخ بن جاتا ہے۔ ایسا انسان کس اخلاقی پیمانے پر ایک اعلیٰ انسان سمجھا جاسکتا ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ جب کوئی شخص شرک کرتا ہے تو پھر وہ خدا کے سارے حقوق کا رخ غیر اللہ کی طرف موڑ دیتا ہے۔ وہ اسی سے محبت کرتا ہے، اس کی تعریف کرتا ہے، اس کی عبادت کرتا ہے، اسی سے مدد مانگتا ہے، اسی کے حضور نذر چڑھاتا ہے۔ اس کی زبان پر اسی غیر کا نام رہتا ہے۔ اس پہلو سے شرک کرنا بدترین حق تلفی بھی ہے۔ یہ خدا کا حق دوسروں کو دینے کے مترادف ہے۔ یاد رہے کہ خدا وہ ہستی ہے جو انسان کو سب کچھ دیتا ہے۔ اس کی زندگی، اسباب زندگی، رشتے ناتے، مال دولت، صحت و عافیت غرض ہر چیز انسانوں کو خدا دیتا ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں دیتا۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو یہ احسان فراموشی بھی ہے۔

اب ایک طرف خدا کی ان عنایات کا تصور کریں اور دوسری طرف یہ دیکھیں کہ جواب میں شرک کرکے انسان کیا کررہا ہے۔ اس عمل کی شناعت کو سمجھنے کے لیے ذرا کسی ایسے انسان کا تصور کیجیے جو اپنے باپ پر جھوٹ بولے، بہتان لگائے، اس کی توہین کرے۔ پھر باپ کو چھوڑ کر دوسروں کی خدمت کرے، ان پر پیسہ خرچ کرے اور انھی کی تعظیم کرے۔ ایسے شخص کو آپ اخلاقی میزان پر کس جگہ رکھیں گے؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ باپ سے ہزار گنا بڑھ کر خدا انسانوں پر احسان کرتا ہے۔ چنانچہ انسان کی یہی احسان فراموشی ہے جو شرک کو ایک بہت بڑا جرم بنادیتی ہے۔

چنانچہ شرک کی خرابی یہ نہیں کہ انسان خدا کو کوئی نقصان پہنچاتا ہے۔ اصل خرابی یہ ہے کہ شرک کرکے انسان اپنے متعلق یہ ثابت کردیتا ہے کہ وہ اخلاقیات کے میزان عدل میں ایک مجرم

ہے جس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔شرک کی مذمت انسان کواس انجام سے بچانے کے لیے کی گئی ہے، اس لیے نہیں کہ شرک سے خدا کوکوئی ذاتی مسئلہ ہوجاتا ہے۔شرک تو اپنے ساتھ کی گئی زیادتی ہے۔ایسے شخص کواللہ تعالیٰ کسی عذر کی بنا پر معاف کردیں اوراس کے وجودکوختم کردیں تب بھی یہ شخص اس جرم کاارتکاب کرکے جنت جیسی نعمت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوگیا۔یہ ظلم ایک مشرک خوداپنے اوپر کرتا ہے نہ کہ کسی اور پر۔

اس لیے عزیزم! اللہ تعالیٰ کوشرک کا کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔خدا کی ہستی بہت بلند ہے۔ اسے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اسے پوجا جاتا ہے یانہیں یااس کوتنہا مانا جاتا ہے یانہیں۔اللہ تعالیٰ کی ہستی جلن جیسے ہرجذبے سے بلنداور پاک ہے۔شرک اپنی ذات میں ایک غیراخلاقی عمل ہے جو جھوٹ، بہتان،حق تلفی اوراحسان فراموشی جیسے رزائل اخلاق سے عبارت ہےاور نتیجے کے طور پرانسان خودکوعظیم نقصان پہنچائے گا۔اسی لیے قرآن مجید سمیت ساری آسمانی کتابوں اورتمام انبیا نے شرک کے خلاف اصل مورچہ لگایا ہے اوراس سے انسانیت کوبچانے کی زبردست جدوجہد کی ہے۔

والسلام

بندہ عاجز

ابویحییٰ

بیوقوف آدمی کا اصل المیہ یہ ہے کہ اس کی کوئی حماقت آخری نہیں ہوتی (ابویحییٰ)

مولانا وحیدالدین خان

دعا کیسے کریں

میرے لیے ایک سائیکل خرید دیجیے، بیٹے نے باپ سے کہا۔ باپ کی آمدنی کم تھی۔ وہ سائیکل خریدنے کی پوزیشن میں نہ تھا۔ اس نے ٹال دیا۔ لڑکا بار بار کہتا رہا اور باپ بار بار منع کرتا رہا۔ بالآخر ایک روز باپ نے ڈانٹ کر کہا، میں نے کہہ دیا کہ میں سائیکل نہیں خریدوں گا۔ اب آئندہ مجھ سے اس قسم کی بات مت کرنا۔

یہ سن کر لڑکے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ کچھ دیر چپ رہا۔ اس کے بعد روتے ہوئے بولا: آپ ہی تو ہمارے باپ ہیں۔ پھر آپ سے نہ کہیں تو اور کس سے کہیں۔ اس جملے نے باپ کو تڑپا دیا۔ اچانک اس کا انداز بدل گیا۔ اس نے کہا: اچھا بیٹے اطمینان رکھو، میں تمھارے لیے سائیکل خریدوں گا۔ اور کل ہی خریدوں گا۔ یہ کہتے ہوئے باپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اگلے دن اس نے پیسوں کا انتظام کر کے بیٹے کے لیے نئی سائیکل خرید دی۔

لڑکے نے بظاہر ایک لفظ کہا تھا۔ مگر یہ ایک ایسا لفظ تھا جس کی قیمت اس کی اپنی زندگی تھی، جس میں اس کی پوری ہستی شامل ہو گئی تھی۔ اس لفظ کا مطلب یہ تھا کہ اس نے اپنے آپ کو اپنے سرپرست کے آگے بالکل خالی کر دیا ہے۔ یہ لفظ بول کر اس نے اپنے آپ کو ایسے نقطہ پر کھڑا کر دیا جہاں اس کی درخواست اس کے سرپرست کے لیے بھی اتنا ہی بڑا مسئلہ بن گئی جتنا خود اس کے لیے۔

اس واقعہ سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ذکرِ الٰہی کی وہ کون سی قسم ہے جو میزان کو بھر دیتی ہے اور جس کے بعد خدا کی رحمتیں بندے کے اوپر امنڈ آتی ہیں۔ یہ رٹے ہوئے الفاظ کی تکرار نہیں ہے۔ نہ اس کا کوئی نصاب ہے۔ یہ ذکر کی وہ قسم ہے جس میں بندہ اپنی پوری ہستی کو انڈیل دیتا ہے۔ جب بندہ اپنے آپ کو اپنے رب کے ساتھ اتنا زیادہ شامل کر دیتا ہے کہ بیٹا اور باپ دونوں ایک ترازو پر آ جاتے ہیں یہ وہ لمحہ ہے جب کہ ذکر محض لغت کا لفظ نہیں ہوتا بلکہ ایک شخصیت کے پھٹنے کی آواز ہوتا ہے۔ اس وقت خدا کی رحمتیں اپنے بندے پر ٹوٹ پڑتی ہیں۔ بندگی اور خدائی دونوں ایک دوسرے سے راضی ہو جاتے ہیں قادرِ مطلق عاجزِ مطلق کو اپنی آغوش میں لے لیتا ہے۔

محمد ذکوان ندوی

تفسیر اور تذکیر کا فرق

قرآن مجید سے ذِکر ونصیحت کا فائدہ حاصل کرنے کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ یہ مفروضہ ہے کہ قرآن ایک مشکل کتاب ہے۔ اُس کو سمجھنا عام لوگوں کا کام نہیں۔ یہ صرف علما کا مقام ہے کہ وہ قرآن کو سمجھ کر پڑھیں اور اُس سے استفادہ کرسکیں۔

اِس قسم کا مفروضہ قرآن کے تذکیری اور تفسیری مطالعے میں فرق نہ کرنے کی بنا پر پیدا ہوا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ قرآن سے استفادہ کرنے کی دو سطحیں ہیں: ایک ہے تلاوت برائے تذکیر، اور دوسری ہے تلاوت برائے تفسیر۔ قرآن میں بار بار ارشاد ہوا ہے کہ تذکیر کے لیے اُسے پوری طرح موزوں بنا دیا گیا ہے (وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ)۔ قرآن کے مطابق، تذکیر کے لیے اصلاً 'تقوٰی' (الحاقہ ۶۹: ۴۸) اور 'اِنابت' (غافر ۴۰: ۱۳) جیسی داخلی صفات درکار ہیں۔ البتہ تفسیر کے لیے بلاشبہ یہ ضروری ہے کہ آدمی اپنے اندر مطلوب علمی استعداد پیدا کرے۔

اِس معاملے میں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ اِس باب میں خود قرآن مجید کا اپنا بیان کیا ہے؟ قرآن کا مطالعہ واضح طور پر بتاتا ہے کہ یہ مفروضہ بالکل بے اصل ہے۔ قرآن نے متعدد مقامات پر بار بار اِس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ وہ اپنے اصل مقصد کے بیان وابلاغ کے اعتبار سے بالکل ایک واضح کتاب ہے۔ وہ بنیادی مقصد یہ ہے کہ خدا ایک ہے، وہی عبادت کے لائق ہے اور انسانوں کو ایک دن اپنے ابدی مستقبل (جنت یا جہنم) کا آخری فیصلہ سننے کے لیے اُس کے حضور میں پیش ہونا ہے۔

اِسی کے ساتھ قرآن میں بار بار یہ اعلان کیا گیا ہے کہ قرآن نصیحت کے لیے پوری طرح موزوں بنا دیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک ہی سورہ میں چار مرتبہ بہ تکرار اِس حقیقت کو دہرایا گیا ہے: 'وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ، فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ' (القمر ۵۴: ۱۷، ۲۲، ۳۲، ۴۰) یعنی ہم نے اِس قرآن کو یاددہانی کے لیے نہایت موزوں بنا دیا ہے۔ پھر کیا ہے کوئی یاددہانی حاصل کرنے والا؟

اِس کے علاوہ، ایک معمولی فرق کے ساتھ یہی بات قرآن میں مزید دو بار حسب ذیل الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

☆ 'فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا' (مریم ۱۹:۹۷) یعنی ہم نے اِس قرآن کو تمھاری زبان میں اِسی لیے سہل اور موزوں بنا دیا ہے، تاکہ تم اُن لوگوں کو اِس کے ذریعے سے بشارت دو جو خدا سے ڈرنے والے ہیں، اور اِن ہٹ دھرم لوگوں کو اِس کے ذریعے سے خبردار کردو۔

☆ 'فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ' (الدخان ۴۴:۵۸) یعنی ہم نے اِس قرآن کو تمھاری زبان میں نہایت موزوں بنا دیا ہے، تاکہ وہ اِس سے یاددہانی حاصل کریں۔

اِسی طرح ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوا ہے: 'وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ . قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ' (الزمر ۳۹:۲۷-۲۸) یعنی ہم نے اِس قرآن میں لوگوں کی تذکیر کے لیے ہر قسم کی تمثیلیں بیان کر دی ہیں، تاکہ وہ یاددہانی حاصل کریں۔ وہ ایک عربی قرآن کی صورت میں ہے جس کے اندر کوئی ٹیڑھ نہیں پائی جاتی۔

اِن آیات سے یہ حقیقت پوری طرح مبرہن ہو جاتی ہے کہ تذکیر کے لیے قرآن بالکل واضح اور آسان کتاب ہے۔ اِسی کے ساتھ قرآن میں ہرگز کسی قسم کی کوئی فلسفیانہ پیچیدگی نہیں پائی جاتی۔ وہ فصیح و بلیغ زبان، اور ایسے فطری اور دل نشیں اسلوب میں نازل کیا گیا ہے جس سے اُس کا اصل مقصد ہر جگہ کسی ابہام کے بغیر پوری قطعیت کے ساتھ واضح ہو جاتا ہے۔

قرآن کی زبان و بیان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اِن آیات میں 'تیسیر' کا مطلب معروف معنوں میں صرف کتاب اللہ کا ''آسان'' ہونا نہیں، بلکہ اِس سے مراد اپنے مقصد کے اِبلاغ کے لیے قرآن کا پوری طرح موزوں ہونا ہے، یعنی قرآن اپنے الفاظ و معانی اور اپنے اصل پیغام کی ترسیل کے اعتبار سے، پوری طرح انسانی فطرت اور اُس کی نفسیات کے مطابق ہے۔ وہ عین اُسی خالق کا کلام ہے جس نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ انسان اور قرآن دونوں ایک

ہی خدائے رحمان و رحیم کی رحمتوں کا ظہور ہیں (الرحمٰن ۵۵:۱-۳)۔ انسان اور قرآن دونوں ایک دوسرے کا مثنّٰی (العنکبوت ۴۹:۲۹) ہیں۔ دونوں کے درمیان مذکورہ قسم کے کسی فرق کا وجود عقل وفطرت دونوں اعتبار سے ممکن نہیں۔

عربی مبین اور متعلق علوم پر عالمانہ نظر

قرآن کا مخاطَب چونکہ انسان ہے، اور ظاہر ہے کہ انسان ایک مکمل وجود کا نام ہے۔ وہ اپنے آپ میں پوری ایک کائنات ہے۔ ایسی حالت میں یہ ایک فطری بات ہے کہ قرآن میں اپنے مقصد کی توضیح وتبیین کے ضمن میں دیگر آفاقی اور انفسی حقائق کا تذکرہ بھی موجود ہو۔ اِس لیے ضروری ہوگا کہ تذکیریات کے علاوہ، جو شخص قرآن کا گہرا علمی مطالعہ کرنا چاہے، وہ انسانی علوم مثلاً تاریخ، نفسیات اور اجتماعیات جیسے موضوعات پر بھی گہری نظر رکھتا ہو۔ اِس طرح اُس کے لیے یہ ممکن ہوگا کہ وہ قرآن کے 'ظاہر' کے ساتھ اُس کے 'باطن' تک پہنچنے کے لیے تدبر قرآن کے علمی تقاضوں کو پورا کر سکے۔

اِس معاملے میں بنیادی چیز قرآن کی زبان وبیان پر عالمانہ نظر ہے۔ ''قرآن کا فہم اب اِس زبان (عربی مبین) کے صحیح علم اور اِس کے صحیح ذوق ہی پر منحصر ہے، اور اِس میں تدبر اور اِس کی شرح وتفسیر کے لیے ضروری ہے کہ آدمی اِس زبان کا جید عالم اور اِس کے اسالیب کا ایسا ذوق آشنا ہو کہ قرآن کے مدعا تک پہنچنے میں کم از کم اُس کی زبان اُس کی راہ میں حائل نہ ہو سکے۔''

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اِس کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: 'أعربوا القرآن۔ اِسی طرح خلیفہ ثانی عمر بن الخطاب نے فرمایا: 'تعلّموا العربية، كما تعلّموا حفظَ القرآن ' (مصنَّف ابن ابی شیبہ: ۲۹۳۲۹) یعنی تم عربی مبین کی تعلیم اُسی طرح حاصل کرو، جس طرح تم خود قرآن کی تعلیم حاصل کرتے ہو۔ مذکورہ روایات میں 'إعراب ' اور 'العربية ' سے مراد اصلاً اُس عربی مبین کی تعلیم ہے جس میں قرآن نازل ہوا اور جس میں نزولِ قرآن کے وقت قبیلہ قریش کے لوگ کلام کرتے تھے۔

قرآن کی زبان و بیان میں عالمانہ درک حاصل کیے بغیر جو شخص قرآن پر رائے زنی کرے، اُس کے بارے میں سخت اندیشہ ہے کہ وہ اِس پیغمبرانہ تہدید کا مصداق قرار پائے: 'من قال في القرآن بغير علم، فليتبوأ مقعده من النار' (سنن الترمذی: ۲۹۵۰) یعنی علم کے بغیر جو شخص قرآن کے باب میں رائے دے، اُسے چاہیے کہ وہ جہنم میں اپنا ٹھکانا بنالے۔

قرآن کی زبان و بیان پر بلاشبہ بہت قابلِ قدر کام ہو چکا ہے۔ تاہم بعد کے زمانے میں مولانا حمید الدین فراہی (وفات: ۱۹۳۰) اور اُن کے تلامذہ نے اِس موضوع پر انتہائی اہم اور انقلابی کام کیا ہے۔ قرآن کے طلبہ اِس سے بہت کچھ اخذ و استفادہ کر سکتے ہیں۔

قرآن کی عربیِ معلّٰی کے ذوق کی آب یاری کے لیے ضروری ہے کہ قرآن کے طلبہ دو بنیادی کام ضرور کریں۔ ایک ہے ــــ تلاوتِ قرآن کے خصوصی اہتمام اور اُس کے دعوتی اور تذکیری مطالعے کے ساتھ، زبان و بیان کے اعتبار سے قرآن پر مسلسل غور و فکر اور مختلف زاویوں سے اُس کے اسالیب کا گہرا مطالعہ۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن کی زبان و بیان کا خود اُس سے بڑا اور دوسرا کوئی ماخذ نہیں۔ یہ گویا مطالعہ قرآن کا وہی طریقہ ہوگا جس کو ادبی ریفرینس میں اِس طرح بیان کیا گیا ہے:

برائے پاکی شعرے، شب بہ روز آرد

یہ اِسی دوسری نوعیت کا گہرا مطالعہ قرآن تھا جس میں بعض سلف صالحین کے کئی کئی برس صرف ہو جاتے تھے۔ مثلاً چوتھی صدی ہجری کے مشہور عالم اور محدث ابو العباس بن عطاء البغدادی کو اِسی قسم کے ایک ختم قرآن میں کئی سال گزر گئے: 'وبقي في ختمة مفردة بضع عشرة سنة، يتفهم و يتدبر'

مختلف زاویوں سے قرآن مجید پر یہی وہ گہرا تدبر تھا جس میں خلیفہ ثانی عمر بن الخطاب اور اُن کے بیٹے عبد اللہ بن عمر کو محض سورہ البقرہ کی تکمیل میں کئی برس کا طویل عرصہ گزر گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ''ختم قرآن'' کے مروّجہ طریقوں کے برعکس، اصحابِ رسول کے درمیان اِس عمل کو عظمت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا کہ ایک شخص قرآن کی صرف دو سورتیں (البقرہ، آل عمران)

سیکھ لے: 'یقول أنس رضي اللّٰہ عنه کان الرجل إذا قرأ البقرة و آل عمران، جلّ في أعیننا '۔ اصحابِ رسول اور سلف صالحین کے حالات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ قرآن کے علم وعمل کے بغیر مجرد تلاوت کا تصور اُن کے درمیان اجنبی تھا۔

عربیِ قرآن کے ذوق کی آب یاری کے لیے قرآن کے بعد اِس مقصد کے لیے احادیث وآثار کا مطالعہ بہت مفید ہے۔ خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں، تمثیلات اور اپنے اصحاب کے ساتھ آپ کی گفتگو میں عموماً روایت باللفظ کی بنا پر اِس عربی مبین کا بہت بڑا خزانہ جمع ہو گیا ہے۔ قرآن کا ایک طالب علم اگر اپنی زندگی میں اِن ماثور دعاؤں کو شعور وذوق کے ساتھ حرزِ جاں بنا سکے تو زبان وبیان کے حسنِ بے پایاں کے ساتھ وہ اُس کے لیے فکر وعمل کی تاریکی سے نکل کر ہدایت ومعرفت کی روشنی حاصل کرنے کا ایک بے مثل ذریعہ ثابت ہو گا۔

عربیِ قرآن کے ذوق کی آب یاری کے لیے قرآن کے طلبہ کو دوسرا جو کام کرنا چاہیے، وہ مولانا حمید الدین فراہی کی کتابوں، خاص طور پر ''مفردات القرآن'' اور ''اسالیب القرآن'' (رسائل في علوم القرآن) کا سبقاً سبقاً گہرا مطالعہ ہے۔ اِسی طرح اہل علم کا تجربہ ہے کہ اِس معاملے میں سرسید، شبلی، حالی اور خود فراہی کے استاذ ''اصمعیِ زمانہ'' مولانا فیض الحسن سہارن پوری (وفات: ۱۸۸۷ء) کی کتب، خاص طور پر 'ریاض الفیض علی المعلقات السبع '، وغیرہ کا مطالعہ اُس ادبی ذوق کے لیے صیقل کے ہم معنی ہے جو عربیِ قرآن کا ذوق آشنا بنانے کے لیے بے حد ضروری ہے۔

آخری بات

آخر میں دوبارہ عرض ہے کہ قرآن کے تذکیری اور تفسیری مطالعے میں فرق انتہائی ضروری ہے۔ واقعات بتاتے ہیں کہ اِس معاملے کو اِطلاق کی زبان میں بیان کر کے فہم قرآن کے لیے ''علوم'' کی تعداد میں غیر ضروری اضافہ کرنا عملاً قرآن سے دور کرنے کے ہم معنی ثابت ہوا ہے۔ یہاں یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ اِس قسم کے جن ''علوم'' کو تذکیر بالقرآن کے لیے لازمی قرار دیا

جاتا ہے، وہ خود اِس بات کے محتاج ہیں کہ قرآن کی بارگاہ سے اپنے لیے سندِ تصدیق حاصل کریں۔ قرآن کی تصدیق کی شرط ہی پر وہ اِس قابل ٹھہریں گے کہ وہ فہم قرآن کے لیے معاون ثابت ہوسکیں۔

''قرآن نصیحت کے لیے ایک آسان ترین کتاب ہے'' ـــــ خدا کے اِس مسلسل فرمان کے باوجود مذکورہ قسم کے بے اصل مفروضات کی بنا پر قرآن آج امت کے درمیان ایک مشکل ترین کتاب بنا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن اب عملاً صرف ''تلاوت برائے ثواب'' کے مروّجہ تصور کا موضوع بن کر رہ گیا ہے، نہ کہ تلاوت برائے تدبر کے اصل تصور کا موضوع۔ جلیل القدر تابعی حسن البصری (وفات: ۷۲۸ء) کے الفاظ میں، آج عملاً صورتِ حال یہ ہے کہ جو قرآن تدبر و عمل کے لیے نازل کیا گیا تھا، لوگوں نے صرف اُس کی تلاوت ہی کو عمل کا درجہ دے دیا ہے۔ تلاوت کا مطلوب ـــــ ذِکر و نصیحت، اور اُس کا طریقہ ـــــ تدبر و تفکر اب امت کے درمیان تقریباً اجنبی بن چکا ہے۔ حتی کہ 'حق تلاوت' اور تدبر کا یہ مطلوب طریقہ خود قرآن کی دھوم مچانے والے بہت سے لوگوں کے درمیان بھی اتنا ہی اجنبی ہے، جتنا کہ وہ اُس سے بے خبر لوگوں کے درمیان اجنبی بنا ہوا ہے۔

امت مسلمہ کے بگاڑ کا اصل سبب کتابُ اللہ سے اِسی فکری اور عملی تعلق کا فقدان ہے۔ اب آخری وقت آ گیا ہے کہ فہم قرآن کے دوسرے موانع کو دور کرنے کے علاوہ، اُس کے تذکیری اور تفسیری فرق کو واضح کر کے خدا اور اُس کے بندوں کے درمیان حائل ہونے والی فکری بنیادوں کو مکمل طور پر ڈھا دیا جائے، تا کہ لوگ اللہ کی کتاب سے رہنمائی حاصل کریں اور خدا کا کلام براہِ راست اپنے ماننے والوں کی قیادت کرے۔ قرآن دنیا میں صراطِ مستقیم پر چلنے کے لیے مشعلِ راہ ہو، اور آخرت میں وہ اُن کے لیے 'راضیة مرضیة' کی ابدی بادشاہی میں داخلے کی بشارت بن سکے۔

محمد ثوبان

ایک ملاقات

میرا بھتیجا مجھے بہت عزیز ہے۔ مجھے بچپن سے ہی اُس سے بہت لگاؤ ہے۔ایک وقت ایسا آیا کہ ہماری ملاقات کافی عرصہ بعد ہوئی۔ میں نے پوچھا۔ بیٹا کیا آپ کو میرا نام یاد ہے؟ بچے نے جواب دیا۔ چونکہ میری آپ سے کافی عرصے بعد ملاقات ہوئی ہے اس لیے مجھے آپ کا نام یاد نہیں اور میں آپ کو پہچان بھی نہیں پا رہا۔اپنے بھتیجے کا جواب سن کر مجھے بہت رنج ہوا کہ میری اِس قدر محبت کے باوجود آخر اُس نے مجھے فراموش کیوں کر دیا؟ لیکن اگلے ہی لمحے میرے جسم میں بھونچال آ گیا۔میری روح تھرتھر کانپنے لگی۔ مجھے کچھ فرمانِ الٰہی یاد آ گئے:

ترجمہ:''جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا تھا اور جن کو دنیا کی زندگی نے فریب میں مبتلا کر رکھا تھا تو آج کے دن ہم اُنھیں بھلا دیں گے جس طرح اُنھوں نے اس (قیامت) کے دن کی ملاقات کو بھلا رکھا تھا اور ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے''، (الاعراف7 :51)

ترجمہ:''یہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے بھی انھیں بھلا دیا''،(التوبہ 9 :67)۔

ترجمہ:''ارشاد ہوگا: جیسے ہماری آیات تمھارے پاس آئیں تو،تُو نے انھیں بھلا دیا اسی طرح آج تو بھی بھلا دیا جائے گا''،(طٰہٰ 20 :126)۔

مجھے بھی دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔میری بھی عرصۂ دراز سے اپنے خدا سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ میں ایک ایسی ہستی کو بھلا چکا تھا جو صرف مجھ سے محبت ہی نہیں کرتی بلکہ اُسی نے مجھے عدم سے وجود بخشا۔ مجھے اس فانی دنیا میں آزادی واختیار بخشا۔ میں اس کی نعمتیں گننے سے قاصر رہا۔

میں نے آنسوؤں سے وضو کیا اور اپنا سر سجدے میں رکھ دیا۔توبہ کی اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے موت سے پہلے مجھے اپنے سامنے جھکا لیا۔میری اپنے رب سے ملاقات ہو چکی تھی۔

جاوید چوہدری

ہنسی تو آتی ہوگی

زندگی شان دار گزر رہی تھی، وہ صبح دفتر جاتا تھا، شام کو ٹینس کھیلتا تھا اور رات دوستوں کے ساتھ پب میں گپ لگا کر گھر واپس چلا جاتا تھا اور اگلے دن سے دوبارہ روٹین شروع ہو جاتی تھی، یہ معمول چل رہا تھا لیکن پھر ایک معمولی سا واقعہ پیش آیا اور زندگی کا سارا دھارا بدل گیا، وہ روڈ کراس کر رہا تھا، اچانک گلی سے تیز رفتار گاڑی نکلی، وہ ہوا میں اچھلا، فٹ پاتھ پر گرا اور بے ہوش ہو گیا، ایمبولینس آئی اور اسے ہسپتال پہنچا دیا گیا، جسم سے بے تحاشا خون نکل گیا، اسے فوری طور پر خون لگا دیا گیا۔

وہ چند دن ہسپتال میں رہا اور پھر معمول کی زندگی کی طرف واپس آ گیا، سال بعد وہ ایکسیڈنٹ کو بھول چکا تھا لیکن ایک دن اس کے پیٹ میں شدید درد اٹھا، وہ دوبارہ ہسپتال پہنچا، معائنہ ہوا تو پتا چلا اس کا جگر تقریباً جواب دے چکا ہے، وہ اب زیادہ دنوں کا مہمان نہیں، یہ خبر روح فرسا تھی، وہ ہمت ہار گیا اور خود کو ڈاکٹروں اور ہسپتال کے حوالے کر دیا، ڈاکٹروں نے اس سے سوال جواب شروع کیے تو پتا چلا یہ شراب اور سگریٹ نہیں پیتا تھا، یہ لندن کے جس علاقے میں رہتا تھا وہاں پانی، فضا اور خوراک تینوں صاف ستھری تھیں اور یہ زندگی میں کبھی بیمار بھی نہیں ہوا اور اس کی زندگی میں ایک روڈ ایکسیڈنٹ کے علاوہ کوئی حادثہ، کوئی بری چیز نہیں تھی، پھر اس کا جگر کیسے جواب دے گیا؟ ڈاکٹروں کو یہ سوال پریشان کر رہا تھا، فلپ کے انٹرویوز کے دوران پتا چلا ایکسیڈنٹ کے بعد اسے خون دیا گیا تھا چناں چہ خون میں کوئی نہ کوئی ایسا عنصر ہو سکتا ہے جس نے اس کا جگر گلا دیا ہو، خون کا ڈونر تلاش کیا گیا، ڈونر نے مختلف اوقات میں سات لوگوں کو خون دیا تھا، ان تمام کا ڈیٹا نکالا گیا، پتا چلا سات میں سے تین کا جگر گل چکا ہے، ڈاکٹروں نے ڈونر کو ہسپتال میں بند کر دیا اور اس پر تجربات شروع کر دیے، آگے چل کر پتا چلا کہ اس کے خون میں ایک عجیب سا وائرس پایا جاتا ہے، اس وائرس کو خون کے دوسرے جرثوموں سے الگ کر لیا گیا۔

میں بات آگے بڑھانے سے پہلے آپ کو بتاتا چلوں، 1960ء کی دہائی میں خون کی منتقلی کے بعد مریضوں میں دو قسم کے وائرس نکل آتے تھے، ماہرین نے پہلے وائرس کو ہیپاٹائٹس اے

اور دوسرے کو ہیپا ٹائٹس بی کا نام دے دیا، یہ دونوں چند دنوں کے لیے خون کے سرخ جرثومے کم کر دیتے تھے، مریض کو یرقان ہوتا تھا اور یہ پھر تھوڑے دنوں میں ختم ہو جاتا تھا، یہ جگر کو مستقل نقصان نہیں پہنچاتا تھا، فلپ اور اس کے ڈونر کے جسم سے ملنے والا وائرس ہیپا ٹائٹس اے اور بی دونوں سے مختلف تھا۔

یہ خوف ناک تھا اور یہ چند دنوں میں مریض کا جگر تباہ کر دیتا تھا، ماہرین کی ٹیم میں مائیکل ہاؤٹن (Michael Houghton) نام کا ایک نوجوان ڈاکٹر بھی شامل تھا، مائیکل شعبہ وائرالوجی کا ایکسپرٹ تھا، وہ فلپ اور ڈونر کی فائل گھر لے گیا اور دو ہفتے اس پر کام کرتا رہا یہاں تک کہ اس نے وائرس کو شناخت کر لیا، اس کا کہنا تھا یہ وائرس نیا ہے، یہ ہیپا ٹائٹس اے اور بی دونوں سے مختلف ہے اور یہ براہ راست جگر کو نقصان پہنچاتا ہے، ڈاکٹر مائیکل نے وائرس کو ہیپا ٹائٹس سی کا نام دے دیا اور اپنے پروفیسروں کو بتا دیا کہ یہ وائرس مستقبل میں خوف ناک ثابت ہوگا اور یہ کروڑوں لوگوں کی زندگیاں نگل جائے گا۔

چناں چہ ہمیں فوراً انٹرنیشنل الارم بجا دینا چاہیے، پروفیسروں نے مائیکل ہاؤٹن کی دریافت ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کو بھجوا دی اور ڈبلیو ایچ او نے 1978ء میں پوری دنیا کو ہیپا ٹائٹس سی کی اطلاع دے دی۔ مائیکل ہاؤٹن کے لیے تالیاں بجنا شروع ہو گئیں، یہ 28 سال کی عمر میں میڈیکل سائنس کا سٹار بن گیا اور یونیورسٹیاں اسے لیکچر کے لیے بلانے لگیں، وہ خوش ہو گیا لیکن پھر یہ 1980ء میں نیویارک کی یونیورسٹی آف روچسٹر میں لیکچر کے لیے گیا۔

لیکچر کے دوران اس نے ہیپا ٹائٹس سی کے بارے میں بتانا شروع کیا تو ہال میں موجود ایک ڈاکٹر نے ہاتھ کھڑا کیا اور مائیکل سے کہا، سر! کیا آپ کا کام وائرس تلاش کرنے کے بعد ختم ہو گیا؟ مائیکل کے لیے یہ سوال غیر متوقع تھا، یہ چند لمحوں کے لیے چکرا گیا اور پھر اس کے منہ سے نکل گیا نہیں، میں اب اس وائرس کا علاج بھی دریافت کر رہا ہوں۔ ڈاکٹر نے تالی بجائی اور پھر کہا، جناب میں آپ کی ٹیم میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔ مائیکل نے اثبات میں سر ہلا دیا، وہ نوجوان لیکچر کے بعد مائیکل کو کیفے ٹیریا لے گیا اور یہاں سے دنیا کی دل چسپ ریسرچ شروع ہو گئی۔

اس نوجوان ڈاکٹر کا نام ہاروے جے آلٹر تھا اور یہ این آئی ایچ ریسرچ ہسپتال میں متعدی

امراض کا ماہر تھا، آلٹر نے مائیکل کے ساتھ مل کر ریسرچ شروع کر دی، اس دوران واشنگٹن یونیورسٹی سکول آف میڈیسن کا ایک ریسرچر چارلس ایم رائس بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا، یہ بائیو کیمسٹری کا ایکسپرٹ تھا اور یہ ڈبلیو ایچ او اور این آئی ایچ میں کام کرتا تھا، ڈاکٹر چارلس نے ہیپا ٹائٹس سی کو لیبارٹری میں بنانے اور چمپینزی پر تجربہ کرنے کی حامی بھر لی۔

ڈاکٹر آلٹر نے 1988ء میں ڈاکٹر مائیکل کی ریسرچ کی تصدیق کر دی اور دنیا کو یہ بتا کر حیران کر دیا کہ یہ وائرس بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے اور یہ چند برسوں میں پوری دنیا میں اپنے پنجے گاڑھ دے گا، یہ انکشاف خوف ناک تھا اور اس کے بعد اس کو کنٹرول کرنے کا سوال تھا اور اس کے لیے ٹیم کو ڈاکٹر چارلس ایم رائس کی ضرورت تھی، ڈاکٹر چارلس لیبارٹری میں جت گیا اور اس نے 1997ء میں ہیپا ٹائٹس سی کو لیبارٹری میں کلون کر لیا، ڈاکٹر چارلس نے کلون وائرس چمپینزی کے جسم میں داخل کر دیا۔

وائرس اس کے جگر میں پہنچا، ملٹی پلائی ہونے لگا اور اس نے دیکھتے ہی دیکھتے چمپینزی کا جگر گلانا شروع کر دیا، ڈاکٹر چارلس کی ٹیم چمپینزی کا معائنہ کرتی رہی، ٹیم نے بعد ازاں چمپینزی پر مختلف ادویات آزمانا شروع کر دیں، یہ ان کے اثرات بھی دیکھتے رہے، یہ تجربہ 2000ء تک جاری رہا، ڈاکٹر چارلس نے تجربہ مکمل ہونے کے بعد اپنی رپورٹ ڈاکٹر آلٹر اور ڈاکٹر مائیکل کو بھجوا دی، دونوں نے اپنا فیڈ بیک اس میں شامل کیا اور یہ رپورٹ ڈبلیو ایچ او کے حوالے کر دی یوں دنیا میں ہیپا ٹائٹس سی کا علاج دریافت ہو گیا۔

انسانیت جگر کے کینسر کے گڑھے میں گرتی گرتی بچ گئی۔ یہ تینوں ڈاکٹرز انسانیت کے محسن ہیں۔ چناں چہ نوبل انعام کمیٹی نے انہیں پانچ اکتوبر 2020ء کو طب کے شعبے میں گراں قدر خدمات کے صلے میں نوبل انعام دے دیا۔ دنیا میں 32 کروڑ لوگ ہیپا ٹائٹس سی میں مبتلا ہیں، ان میں سے صرف تین کروڑ لوگ اپنے مرض کے بارے میں جانتے ہیں جب کہ 29 کروڑ لوگ یہ وائرس اپنے جگر میں چھپا کر پھر رہے ہیں، دنیا میں ہر سال 18 لاکھ نئے لوگ اس مرض کا شکار ہوتے ہیں۔

ان میں سے چار لاکھ جاں بحق ہو جاتے ہیں، مصر ہیپا ٹائٹس سی میں دنیا میں پہلے نمبر پر ہے، اس کی چھ اعشاریہ تین فیصد آبادی اس خوف ناک وائرس کا شکار ہے، پاکستان مصر کے بعد

دوسرے نمبر پر آتا ہے، ہمارے ملک کے ڈیڑھ کروڑ لوگ اس میں مبتلا ہیں، سب سے زیادہ مریض پنجاب کے پانچ اضلاع خانیوال، ننکانہ صاحب، شیخوپورہ، اوکاڑہ اور فیصل آباد میں ہیں جب کہ باقی علاقوں کے لوگ اس کے بارے میں جانتے ہی نہیں ہیں، یہ پاکستان میں تیزی سے پھیلنے والا مرض ہے۔

آپ یہ جان کر حیران ہوں گے امریکا میں ہیپاٹائٹس سی کے 24 لاکھ اور برطانیہ میں صرف دو لاکھ 15 ہزار مریض ہیں، یہ ملک بڑی حد تک اس موذی مرض سے پاک ہو رہے ہیں لیکن اس کے باوجود امریکا اور برطانیہ کے طبی ماہرین نے چالیس سال کی مسلسل ریسرچ کے بعد اس کا علاج دریافت کر لیا جس کے بعد دنیا فیصلہ کر رہی ہے یہ 2030ء تک اس مرض کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گی اور آپ یہ جان کر مزید حیران ہوں گے کہ دنیا میں سب سے زیادہ مریض ہونے کے باوجود پاکستان اور مصر کا اس ریسرچ میں کوئی کنٹری بیوشن نہیں۔

ہم پچاس برسوں میں کل مریضوں کا ڈیٹا تک جمع نہیں کر سکے، ہم عوام کو ہیپاٹائٹس سی کے بارے میں آگاہی تک نہیں دے سکے، ہم نے ڈیڑھ کروڑ مریضوں کے باوجود ابھی تک ملک میں ہیپاٹائٹس سی کا ٹیسٹ بھی لازم قرار نہیں دیا جب کہ امریکا اور برطانیہ کے کافر ڈاکٹروں نے چالیس سال دن رات ایک کر کے ہمارے لیے علاج بھی دریافت کر لیا اور یہ اگلے دس برسوں میں مصر اور پاکستان سے یہ مرض ختم کرنے کی قسم بھی کھا رہے ہیں، آپ ہم اہل ایمان کی ایمان داری دیکھیے اور اس کے بعد کافروں کا کفر ملاحظہ کیجیے۔

ہم نے اپنی بیماریوں کے علاج کا فریضہ بھی کافروں کو سونپ دیا ہے، ہم آج کورونا کے علاج کے لیے بھی مسجدوں میں اللہ سے گڑگڑا کر درخواست کر رہے ہیں کہ یا باری تعالیٰ کافروں کو ہمت عطا کر یہ کورونا کی ویکسین تلاش کر لیں تاکہ ہم یہ ویکسین استعمال کر کے تگڑے ہو سکیں اور ہم پھر ویکسین بنانے والے کافروں کو نیست و نابود کر سکیں، ہم ان کی کفرانہ لیبارٹریاں اور ریسرچ سنٹر تباہ کر سکیں، یا باری تعالیٰ ہمیں ہمت عطا فرما۔

مجھے بعض اوقات محسوس ہوتا ہے ہماری دعاؤں پر مشیت الٰہی کو بھی ہنسی ضرور آتی ہو گی، قدرت بھی ضرور مسکرا اٹھتی ہو گی۔ [بشکریہ: ایکسپریس نیوز]

شفقت علی

بچوں کی ضد، وجوہات اور علاج

کہتے ہیں بچوں کے مسائل صرف اُس گھر میں نہیں ہوتے جس میں بچے نہیں ہوتے۔ وگرنہ تو ہر صاحبِ اولاد اور ذی شعور انسان کو ہر روز کسی نہ کسی طور بچوں کی طرف سے نیا مسئلہ ضرور ملتا ہے۔ اِن تمام مسائل میں سرِ فہرست اور ہر گھر میں عام پایا جانے والا مسئلہ ہے ضد۔ والدین چاہے جتنا بھی اچھا رویہ اپنا لیں، جتنی بھی نرمی برت لیں یا بچوں سے پیار کرلیں بچے پھر بھی ضد ضرور کرتے ہیں۔ گویا یہ بچوں کا پیدائشی حق ہو۔

ضد کیا ہے؟ ضد ایک جذباتی مسئلہ ہے جسے انسان بطور ردعمل اپناتا ہے۔ ردعمل کی اِس نفسیات کو اگر دبا دیا جائے یا اِس کا بروقت علاج نہ ہو تو یہ ایک نفسیاتی مسئلہ بھی بن سکتا ہے۔ ضروری ہے کہ والدین اور اساتذہ بچوں میں یہ مسئلہ نوٹ کریں تو فوراً اِس کا علاج ڈھونڈیں۔

ماہرینِ نفسیات کہتے ہیں کہ چونکہ ہر بچہ منفرد ہوتا ہے لہٰذا بچوں کی کئی اقسام ہوتی ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ضد کی بھی کئی اقسام ہوتی ہیں۔ بہر حال ہم یہاں صرف اُن چار اقسام کا تذکرہ کریں گے جو بچوں میں عام (general) پائی جاتی ہیں۔

ضد کی پہلی قسم ہے چڑچڑا پن جو جسمانی کمزوری یا کسی بیماری کی وجہ سے بچے کے مزاج میں پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسے بچے اکثر بہانے بنا کر روتے دھوتے رہتے ہیں اور چیزوں کا مطالبہ کرتے رہتے ہیں۔ چیز مل بھی جائے تو پھر بھی وہ چپ نہیں ہوتے بلکہ کوئی اور وجہ ڈھونڈ کر پھر سے وہی رونا دھونا شروع کر دیتے ہیں۔ ضد کی اس قسم کا علاج یہ ہے کہ بچے کو کسی ماہرِ غذائیات یا بچوں کے ماہر سے چیک کروائیں۔ وہ جو غذا، دوا اور پرہیز تجویز کریں اُسے اپنائیں۔

ضد کی دوسری وجہ ہے بے جا لاڈ پیار اور بچے کو بالکل ڈھیل دے دینا۔ جب بچے کو پتا چلتا ہے کہ اُس کی ہر بات مان لی جاتی ہے اور ہر مطالبہ پورا ہو جاتا ہے تو وہ ضد کا عادی ہو جاتا ہے۔ اُسے معلوم

ہوتا ہے کہ بس کچھ دیر کی ضد اُس کی ہر مراد پوری کردے گی لہٰذا وہ ضد کرتا ہے۔ اِس کا علاج یہ ہے کہ والدین اپنے رویے کو بدلیں۔ اپنے مزاج میں نرمی ضرور لائیں اور اپنا رویہ فرینڈلی ضرور رکھیں مگر فرینکلی نہیں۔ بچے کی جائز خواہش اور مطالبہ ضرور پورا کریں۔ اگر بچہ کسی ایسی چیز کی طلب کرے جو نقصان دہ ہو، مہنگی ہو یا بچے کے لیے موزوں نہ ہو تو بچے کو اُس کا متبادل لے دیں۔ یہاں آپ کو دوسروں کو قائل کرنے کی اپنی مہارت کو استعمال کرنا ہوگا۔ یہ مہارت آپ کو بچے کی ضد ختم کرنے میں بہت مدد دے گی۔

ضد کی تیسری وجہ وقتی (situational) ہوتی ہے یعنی بچہ کبھی کبھی ایسی ضد کرتا ہے۔ مثلاً میں نے آج سکول نہیں جانا، میں نے فلاں شخص سے نہیں ملنا، میں نے یہ کام ضرور کرنا ہے وغیرہ۔ اِس ضد کا علاج بچے کی بات کو سمجھنا اور اُس کی ضد کی وجوہات کو جاننا ہے کہ بچہ اچانک یہ رویہ کیوں اپنائے ہوئے ہے۔ اِن وجوہات کو ڈھونڈ کر اِس ضد کا علاج کیا جا سکتا ہے۔

ضد کی چوتھی قسم ہے مزاج میں اکھڑ پن، بدتمیزی اور جارح رویہ جو زیادہ تر بلوغت میں نوٹ کیا گیا ہے۔ یہ مسئلہ ہارمونل بھی ہو سکتا ہے اور نفسیاتی بھی۔ یہ بچوں کے لاشعور میں دبی خواہشات کے پورا نہ ہونے یا ماں باپ کی طرف سے عدم تعاون، پیار محبت اور وقت نہ ملنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ بچے بچپن میں تو سب برداشت کر لیتے ہیں مگر جونہی وہ بڑے ہونا شروع ہوتے ہیں تو وہ والدین اور بڑوں کو کچھ نہیں سمجھتے اور ردعمل میں آ کر اپنی مرضی کرتے ہیں۔ کوئی روک ٹوک کی جائے تو بدتمیزی کرتے ہوئے بھی نہیں گھبراتے۔ اِس مسئلہ کا پہلا حل تو یہ ہے کہ کوشش کریں کہ معاملہ یہاں تک نہ پہنچے اور اگر پہنچ جائے تو بچے کو وقت دینا شروع کریں۔ اُس سے گفتگو کریں اور اُس کے جذبات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اُسے پیار محبت سے قائل کریں۔ اِس کام میں دیر لگ سکتی ہے لہٰذا آپ کو مستقل مزاجی اپنانا ہوگی۔ ساتھ میں اللہ سے مدد، رہنمائی اور بچے کی اچھی کی تربیت دعا کرتے رہیں اِس یقین کے ساتھ کہ دعا مومن کا ہتھیار ہے اور دعا تقدیر کو بدل دیتی ہے۔

ابو یحییٰ

مضامین قرآن (75)

اخلاقی طور پر مطلوب و غیر مطلوب رویے: قول احسن یا اچھی گفتگو

قرآن مجید نے لوگوں کو جہاں اور بہت سے اخلاق عالیہ کی تعلیم دی ہے وہیں انھیں اچھی گفتگو کی تلقین بھی کی گئی ہے۔ اس لیے کہ گفتگو ہی اعلیٰ اخلاق کا پہلا اظہار ہوتی ہے۔ اس کے لیے قرآن مجید نے تین طریقے اختیار کیے ہیں۔ ایک اچھی گفتگو کے لیے کچھ تعبیرات استعمال کی ہیں جو اس طرف اشارہ کرتی ہیں کہ اچھی گفتگو کے خصائل کیا ہوتے ہیں۔ دوسرے قرآن مجید نے اچھی گفتگو کے کچھ متعین اوصاف بیان کیے ہیں یا ان منفی چیزوں کو بیان کیا ہے جو گفتگو کو اچھا نہیں رہنے دیتیں۔ تیسرے قرآن مجید نے اس طرز گفتگو کی طرف توجہ دلائی ہے جس کا اظہار زبان قال سے نہیں بلکہ زبان حال سے ہوتا ہے اور جسے آج کل کی اصطلاح میں باڈی لینگویج کہا جاتا ہے۔ ذیل میں ہم الگ الگ ان تینوں کو بیان کریں گے۔

اچھی گفتگو کے لیے قرآنی تعبیرات

اچھی گفتگو کو بیان کرنے کے لیے قرآن مجید نے جو تعبیرات اختیار کی ہیں ان میں سے پہلی قول احسن ہی ہے۔ اس کا مطلب ہی اچھی بات کہنا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ جب بھی انسان بات کرے تو نیکی اور اچھائی کی بات کرے گرچہ یہ بھی اس میں شامل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان حالات اور ضروریات کے لحاظ سے لوگوں سے ہر طرح کی گفتگو کرتا ہے۔ قول احسن میں اصل زور اس پر ہے کہ بات اچھے طریقے سے کی جائے۔ اسے ہم اپنی زبان میں شائستہ گفتگو کہتے ہیں۔ یہ وہ گفتگو اور لب ولہجہ ہوتا ہے جو سننے والے پر اچھا تاثر ڈالتا ہے۔ اس طرز تخاطب

میں الفاظ کا چناؤ اور انداز گفتگو دونوں ایسے ہوتے ہیں کہ سننے والے کو کسی پہلو سے برا نہیں لگتا۔

قول احسن کے علاوہ ایک اور تعبیر قول معروف کی ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ کسی معاشرے میں تہذیب اور شرافت کے ساتھ گفتگو کے جو معیارات اچھے سمجھے جاتے ہیں، ان کو ملحوظ رکھ کر گفتگو کی جائے اور غیر شریفانہ اور غیر معیاری زبان سے پرہیز کیا جائے۔ایک اور تعبیر قول سدید کی ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ بات سیدھی کی جائے۔وہ بات کی جائے جو حق و انصاف پر مبنی ہو۔جو کسی ظلم، زیادتی، نافرمانی یا منکر پر مبنی نہ ہو۔اس ضمن کی ایک اور تعبیر جو قرآن نے استعمال کی ہے وہ قول میسور ہے۔اس سے مراد وہ انداز گفتگو ہے جو تلخی، ترشی، سختی، بدتمیزی اور بدتہذیبی جیسی چیزوں سے پاک اور نرمی اور ہمدردی پر مبنی ہوتا ہے۔چنانچہ قرآن مجید جب قول احسن یا اچھی بات کی تلقین کرتا ہے تو اس میں یہ تمام چیزیں شامل ہوتی ہیں جو قول معروف، قول سدید اور قول میسور کی تعبیرات سے ظاہر ہوتی ہیں۔

گفتگو کے اوصاف

اچھی گفتگو کی تلقین کے ضمن میں قرآن مجید کا دوسرا طریقہ ان اوصاف کی نشان دہی ہے جو گفتگو کو اچھا یا برا بناتے ہیں۔قرآن مجید نے اس ضمن میں گفتگو کے آہنگ اور لب ولہجہ ہے کو بہت نمایاں کیا ہے۔قرآن مجید نے سورہ لقمان (19:31) میں گدھے کی آواز کو بطور مثال پیش کر کے یہ بتایا ہے کہ اس طرح کا چیخنے چلانے والا لہجہ جب انسان اختیار کرتے ہیں تو یہ کتنا برا رویہ بن جاتا ہے۔چنانچہ اس پس منظر میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ نرم لب و لہجے میں گفتگو کرنی چاہیے۔چیخ و پکار کے ساتھ گفتگو کرنا عام طور پر جہلا کا طریقہ ہوتا ہے۔قرآن مجید نے یہ تلقین کی ہے کہ جاہلوں کے جواب میں سلام کر کے الگ ہو جایا جائے۔ایسے لوگ اپنی ہفوات، لغویات اور جہالت کے ساتھ آمادہ پیکار ہو جائیں تو قرآن کی تلقین ہے کہ معافی و درگزر کی راہ اختیار کی

جائے، اچھی بات کی تلقین کی جائے اوراعراض کا راستہ اختیار کرلیا جائے۔انسان یہ نہیں کرتا تو آخر کار اپنے چیخنے چلانے کی نوبت آ ہی جاتی ہے۔

اسی سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ بندہ مومن جب گفتگو کرے تو اس کے پیش نظر یہ بات ہو کہ اسے بہرحال نیکی کی تلقین کرنی ہے اور برائی کی شناعت کو واضح کرنا ہے۔اسے لوگوں کو حق کی تلقین کرنی ہے اور حق پر ثابت قدمی کی نصیحت کرنی ہے۔ظاہر ہے کہ یہ ہر وقت کرنے کے کام نہیں، مگر جب حالات کا تقاضا ہو اور وقت کی پکار ہو تو بندہ مومن اپنی گفتگو کے ذریعے سے اپنی اس ذمہ داری کو ضرور نبھاتا ہے۔قرآن مجید نے یہ توجہ دلائی ہے کہ ایک بندہ مومن کا اللہ کی طرف بلانے کا اس کا قول ہمیشہ ان اعمال کے ساتھ ظہور پذیر ہوتا ہے جنھیں اعمال صالحہ کہا جاتا ہے۔ایسے شخص کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں ہوتا۔ایسے کلام کے حامل شخص کی ایک اور خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ حکمت اور دلپذیر نصیحت سے آراستہ ہوتی ہے اور کبھی بحث مباحثے کی نوبت آ جائے تو اعلیٰ اخلاق پر مبنی اس طرز گفتگو کو نہ چھوڑا جائے جو اللہ کو پسند ہے اور جسے قرآن مجید کے حوالے سے اوپر ہم نے قول سدید، قول معروف، قول احسن اور قول میسور کی اصطلاحات کے پس منظر میں بیان کیا ہے۔یہی وہ چار اصطلاحات ہیں جو قرآن مجید کی روشنی میں اچھی گفتگو کے اوصاف کو بیان کرتی ہیں۔

ان مثبت خصوصیات کے علاوہ قرآن مجید نے گفتگو کے حوالے سے بہت سے منفی رویے بھی بیان کیے ہیں۔ان میں ایک رویہ ایذا رسانی کا ہے۔یعنی انسان گفتگو ایسی کرے جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے اور جس کی ایک نمایاں ترین شکل احسان کر کے اسے جتلانا ہے۔اسی طرح لوگوں کا مذاق اڑانا، انھیں برے القاب سے پکارنا، طعنہ و تشنیع کرنا بھی وہ چیزیں ہیں جن کی برائی پر لوگوں کو متوجہ کر کے ان سے روکا گیا ہے۔لوگوں کی عیب جوئی، چغل خوری، پیٹھ پیچھے

لوگوں کی برائی کرنا جسے غیبت کہتے ہیں، جھوٹ اور بہتان بھی زبان سے کی جانے والی وہ برائیاں ہیں جن کا ارتکاب عموماً کیا جاتا ہے۔ان سے بھی قرآن مجید میں سختی کے ساتھ روکا گیا ہے۔ بہت زیادہ قسمیں کھانا، جھوٹی قسمیں کھانا اور لغو اور لایعنی گفتگو بھی وہ چیزیں ہیں جن کی شناعت پر قرآن مجید نے مختلف طریقوں سے متوجہ کیا ہے۔

باڈی لینگویج کے منفی رویے

انسان کی باتیں اس کی سوچ اور انداز فکر کا اظہار ہوتی ہیں۔لیکن انسان اپنی سوچ اور انداز فکر کا اظہار ہمیشہ الفاظ کے ذریعے سے نہیں کرتا بلکہ بارہا اس کے لیے جسمانی حرکات وسکنات سے مدد لیتا ہے جسے عام طور پر باڈی لینگویج کہا جاتا ہے۔قرآن مجید نے جہاں منفی گفتگو کے ان مختلف پہلوؤں کو بیان کیا ہے جن کا اظہار انسان زبان سے کرتا ہے، وہیں باڈی لینگویج یا جسم کی زبان کے ایسے اظہار کی مذمت بھی کی ہے جو بداخلاقی پر مشتمل ہو۔اس میں سب سے بنیادی چیز انسان کی چال ہے۔انسان کا سینہ جب تکبر کی آماجگاہ ہوتا ہے تو وہ زمین پر اکڑ کر چلتا ہے۔اس کے برعکس شرفا اور مہذب لوگوں کی چال میں ایک نوعیت کا اعتدال اور آہستگی ہوتی ہے۔قرآن مجید نے ان دونوں قسموں کی چال کا فرق واضح کر کے بتایا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کی چال میں عاجزی ہوتی ہے اور وہ متکبروں کی طرح اکڑ کر نہیں چلتے۔

اسی طرح حق کا انکار کرتے ہوئے پیٹھ پھیر کر چل دینے نیز گال پھلانے، تیوری چڑھانے اور منہ بنا کر چہرے کے تاثرات سے اپنی بیزاری، ترش روئی اور بے پروائی کے اظہار کرنے کی برائی کو بھی قرآن مجید نے واضح کیا۔ان کے علاوہ اشاروں کے ذریعے سے لوگوں پر طعن کرنے اوران کا تمسخر اڑانے کے عمل کی بھی قرآن مجید نے سخت مذمت کی ہے۔گفتگو کے ان تمام رذائل سے پاک اور خصائل سے متصف ہستیاں حضرات انبیا علیھم السلام کی ہوتی ہیں۔قرآن مجید نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی پس منظر میں صاحب خلق عظیم (القلم 4:68) قرار دیا ہے۔

قرآنی بیانات

''اور (یتیم اگر ابھی نادان اور بے سمجھ ہوں تو) اپنے وہ اموال جن کو اللہ نے تمھارے لیے قیام و بقا کا ذریعہ بنایا ہے، اِن بے سمجھوں کے حوالے نہ کرو۔ ہاں، اِن سے فراغت کے ساتھ اُن کو کھلاؤ، پہناؤ اور اُن سے بھلائی کی بات کرو۔''، (النساء 5:4)

''لیکن تقسیم کے موقع پر جب قریبی اعزہ اور یتیم اور مسکین وہاں آ جائیں تو اُس میں سے اُن کو بھی کچھ دے دو اور اُن سے بھلائی کی بات کرو۔ اُن لوگوں کو ڈرنا چاہیے جو اگر اپنے پیچھے ناتواں بچے چھوڑتے تو اُن کے بارے میں اُنھیں بہت کچھ اندیشے ہوتے۔ سو چاہیے کہ اللہ سے ڈریں اور (ہر معاملے میں) سیدھی بات کریں۔''، (النساء 8-9:4)

''ایک اچھا بول اور (ناگواری کا موقع ہو تو) ذرا سی چشم پوشی اُس خیرات سے بہتر ہے جس کے ساتھ اذیت لگی ہوئی ہو۔ اور (تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ) اِس طرح کی خیرات سے اللہ بے نیاز ہے، (اِس رویے پر وہ تمھیں محروم کر دیتا، لیکن اُس کا معاملہ یہ ہے کہ) اِس کے ساتھ وہ بڑا بردبار بھی ہے۔ ایمان والو، احسان جتا کر اور (دوسروں کی) دل آزاری کر کے اپنی خیرات کو اُن لوگوں کی طرح ضائع نہ کرو جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں......''، (البقرہ 263-264:2)

''اور یاد کرو، جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو گے اور والدین کے ساتھ اور قرابت مندوں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کرو گے۔ اور عہد لیا کہ لوگوں سے اچھی بات کہو اور نماز کا اہتمام کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ پھر تم میں سے تھوڑے لوگوں کے سوا تم سب (اُس سے) پھر گئے اور حقیقت یہ ہے کہ تم پھر جانے والے لوگ ہی ہو۔''، (البقرہ 83:2)

''اور اگر اِن (ضرورت مندوں) سے اعراض کرنا پڑے، اِس لیے کہ ابھی تم اپنے پروردگار کی رحمت کے انتظار میں ہو، جس کی تمھیں امید ہے، تو اِن سے نرمی کی بات کہو۔''، (بنی اسرائیل 28:17)

’’اور لوگوں سے بے رخی نہ کرو اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو، اِس لیے کہ اللہ کسی اکڑنے اور فخر جتانے والے کو پسند نہیں کرتا۔ اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز کو پست رکھو، حقیقت یہ ہے کہ سب سے بری آواز گدھے کی آواز ہے۔‘‘، (لقمان 18-19:31)

’’(اِن کے ماننے والوں کو اب اور کیا سمجھایا جائے؟ اِس لیے) درگذر کرو، (اے پیغمبر)، نیکی کی تلقین کرتے رہو اور اِن جاہلوں سے اعراض کرو۔‘‘، (الاعراف 199:7)

’’(وہی رحمٰن ہے) اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں اور جاہل اُن سے الجھنے کی کوشش کریں تو اُن کو سلام کر کے الگ ہو جاتے ہیں۔‘‘، (الفرقان 63:25)

’’(تم اِن کو اللہ کی طرف بلا رہے ہو، اے پیغمبر)، اور اُس سے اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرماں برداروں میں ہوں!‘‘، (حم السجدہ 33:41)

’’تم، (اے پیغمبر)، اپنے پروردگار کے راستے کی طرف دعوت دیتے رہو حکمت کے ساتھ اور اچھی نصیحت کے ساتھ، اور اِن کے ساتھ اُس طریقے سے بحث کرو جو پسندیدہ ہے۔ یقیناً تیرا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون اُس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ اُن کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت پانے والے ہیں۔‘‘، (النحل 125:16)

’’ایمان والو، (اِسی اخوت کا تقاضا ہے کہ) نہ (تمھارے) مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ اُن سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ اُن سے بہتر ہوں۔ اور نہ اپنوں کو عیب لگاؤ اور نہ آپس میں ایک دوسرے کو برے القاب دو۔ (یہ سب فسق کی باتیں ہیں، اور) ایمان کے بعد تو فسق کا نام بھی بہت برا ہے۔ اور جو (اِس تنبیہ کے بعد بھی) توبہ نہ کریں تو وہی اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے ہیں۔ ایمان والو، بہت سے گمانوں سے بچو، اِس لیے کہ بعض گمان صریح گناہ ہوتے ہیں۔ اور (دوسروں کی) ٹوہ میں نہ لگو اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تمھارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے؟ سو اِسے تو گوارا نہیں کرتے ہو، (پھر غیبت کیوں گوارا ہو! تم اللہ سے ڈرو۔ یقیناً، اللہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔‘‘، (الحجرات 11-12:49)

’’(ایمان والو، یہ منافق تم پر زیادتی کریں اور تم جواب دینا چاہو تو دے سکتے ہو، اِس لیے کہ) اللہ مظلوم کے سوا کسی کا بُری بات کہنا پسند نہیں کرتا اور اللہ سمیع و علیم ہے۔‘‘، (النساء148:4)

’’اِس لیے تم اِن جھٹلانے والوں کی کسی بات پر کان نہ دھرو۔ یہ تو چاہتے ہیں کہ تم ذرا نرم پڑو، پھر یہ بھی نرم پڑ جائیں گے۔ ہرگز کان نہ دھرو کسی ایسے شخص کی بات پر جو بہت قسمیں کھانے والا ہے، بے وقعت ہے،‘‘، (القلم10-12:68)

’’......جو لغویات سے دور رہنے والے ہیں۔......‘‘، (المومنون3:23)

’’پھر (ادھر ادھر) دیکھا، پھر تیوری چڑھائی اور منہ بنایا۔ پھر پلٹا اور اکڑا، پھر بولا: یہ محض (زبان و بیان کی) جادوگری ہے۔ (وہی) جو پہلے سے چلی آ رہی ہے۔ (یہ کوئی الہام نہیں ہے)۔ یہ محض انسان کا کلام ہے۔‘‘، (المدثر21-25:74)

’’تباہی ہے ہر اُس شخص کے لیے جو تم پر اشارے کرتا اور تمھیں عیب لگاتا ہے، (اے پیغمبر)۔‘‘، (ھمزہ1:104)

’’جو لوگ مسلمان مردوں اور عورتوں کو (تہمتیں لگا کر) بغیر اس کے کہ انھوں نے کچھ کیا ہو، اذیت دے رہے ہیں، انھیں بھی معلوم ہونا چاہیے کہ انھوں نے بڑے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے سر لے لیا ہے‘‘، (الاحزاب57:33)

’’تم نے دیکھا نہیں اُنھیں جو اُن لوگوں سے دوستی رکھتے ہیں جن پر اللہ کا غضب ہوا ہے؟ وہ نہ تم میں سے ہیں، نہ اُن میں سے، اور جانتے بوجھتے اپنے اِس جھوٹ پر (کہ تمھارے ساتھ ہیں) قسمیں کھاتے ہیں۔‘‘، (المجادلہ14:58)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات گناہوں سے جو تباہ کر دینے والے ہیں بچتے رہو۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ وہ کون سے گناہ ہیں۔ فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، جادو کرنا، کسی کی جان ناحق لینا جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہو، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، میدان جنگ سے بھاگ جانا، پاک دامن بھولی بھالی عورتوں پر تہمت لگانا۔ (بخاری)

ڈاکٹر عامر گزدر

اسلامی شریعت میں رفع حرج اور آسانی (6)

باجماعت نماز کا حکم اور اُس سے رخصت

شب وروز کی فرض نمازوں کو باجماعت اور ممکن ہو تو کسی مسجد میں جا کر ادا کرنا اسلامی شریعت میں ایک پسندیدہ سنت کی حیثیت رکھتا ہے۔ باجماعت نماز اور اِس مقصد سے مسجد کی حاضری نہ خود نماز کی صحت کے لیے شریعت میں لازم کی گئی ہے اور نہ یہ منجملہ شرائطِ نماز کے ہے۔ تاہم اِس کا اہتمام بہت باعث اجر اور بڑی فضیلت کی چیز ہے۔ کسی مسلمان کو بغیر کسی عذر کے اِس سے محروم نہیں رہنا چاہیے۔ اِس کی یہ حیثیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل ارشادات سے واضح ہوتی ہے:

۱۔ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ :أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی الله علیه وسلم قَالَ :صَلاَةُ الجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلاَةَ الفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً . **عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ** سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تنہا نماز پڑھنے سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا 27 درجے زیادہ فضیلت رکھتا ہے (صحیح بخاری، رقم 645۔ مسلم، رقم 650)۔

۲۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ :أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی الله علیه وسلم قَالَ :لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الأَوَّلِ، ثُمَّ لَمْ يَجِدُوا إِلَّا أَنْ يَسْتَهِمُوا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوا، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي التَّهْجِيرِ لَاسْتَبَقُوا إِلَيْهِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي العَتَمَةِ وَالصُّبْحِ، لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :اگر لوگ جانتے کہ اذان کے وقت پہنچنے اور پہلی صف میں کھڑے ہونے کا کیا اجر ہے، پھر اُس کے لیے قرعہ ڈالنے کے سوا کوئی وجہ ترجیح نہ پاتے تو یہی کرتے۔ اور اگر جانتے کہ ظہر کی جماعت کے لیے سبقت کرنے میں کیا اجر ہے تو اُس کے لیے ایک دوسرے سے سبقت کرتے۔ اور اگر جانتے کہ فجر اور عشا کے لیے حاضر ہونے میں کیا اجر ہے تو اُس کے لیے گھسٹ کر بھی پہنچنا پڑتا تو پہنچتے (صحیح بخاری، رقم 653، ۔صحیح مسلم، رقم 437)۔

۳۔ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، أَنّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ :مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ، وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهُ . عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے عشا کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی، اُس نے گویا آدھی رات قیام کیا اور جس نے صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی، اُس نے گویا پوری رات قیام میں گزاری (مصنف عبدالرزاق، رقم 2008۔ صحیح مسلم، رقم 656)۔

۴۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ: جماعت کی پہلی صف فرشتوں کی صف کی طرح ہے۔ آپ نے فرمایا: اگر تم اِس کی فضیلت جان لو تو اِس میں شامل ہونے کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ آدمی کسی دوسرے شخص کو ساتھ لے کر نماز پڑھے، یہ اُس کے اکیلے نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور دو کے بجائے تین افراد مل کر نماز پڑھیں تو اُس کی فضیلت اور زیادہ ہے۔ (نمازیوں کی) تعداد جتنی زیادہ ہو، وہ اللہ تعالیٰ کو اتنی ہی بڑھ کر محبوب ہوگی (مسند طیالسی، رقم 556)۔

عورتیں، البتہ با جماعت نماز اور مسجد کی حاضری کے اِس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ اُن کے معاملے میں حکم یہ ہے کہ وہ نماز کے لیے مسجد میں آ سکتی ہیں، لیکن نہ آئیں تو اِس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم لَا تَمْنَعُوا نِسَاءَكُمُ الْمَسَاجِدَ، وَبُيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَهُنَّ . عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اپنی عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے نہ روکو، لیکن اُن پر واضح رہنا چاہیے کہ اُن کے گھر اِس مقصد کے لیے زیادہ موزوں ہیں (سنن ابی داود، 567 ۔ صحیح ابن خزیمہ، رقم 1684)۔

جمہور فقہا نے مردوں کے لیے با جماعت نماز کے اِسی حکم کو اپنی اصطلاح میں سنت موکدہ کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ بعض فقہا اِس کو فرض کفایہ کہتے ہیں۔ بعض نے اِس کی تفصیل اِس طرح بیان کی ہے کہ ہر شہر کے مکینوں پر لازمی نمازوں کی با جماعت ادائیگی فی الجملہ فرض کفایہ ہے، مساجد میں با جماعت نماز کا اہتمام رکھنا سنت ہے، جب کہ ہر مسلمان مرد پر اُس کی انفرادی

حیثیت میں باجماعت نماز کی ادائیگی ایک فضیلت کی چیز ہے۔ بعض فقہا نے اپنی اصطلاح میں اِس کو واجب سے تعبیر کیا ہے۔ فقہی تعبیر واصطلاح کے اِس فرق کے باوجود فقہا نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کو شرط قطعاً قرار نہیں دیا ہے۔ یہاں تک کہ جن فقہا نے واجب کی اصطلاح استعمال کی ہے، وہ بھی بغیر کسی عذر کے تنہا نماز پڑھنے والے کی نماز کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ (دیکھیے :الموسوعة الفقهية الكويتية، وزارة الاوقاف والشئون الاسلامية الكويت، ج۲۷،ص ۱٦٥ -۱٦٦ ۔ الهداية فى شرح بداية المبتدى، برهان الدين المرغينانى، ج۱، ص٥٦۔ المجموع شرح المهذب، النووى، ج٤، ص۱٦۳)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حین حیات جب مسجد نبوی میں آپ کی اقتدا میں نماز پڑھنے کے لیے اذان دی جاتی تھی تو اُن سب لوگوں کے لیے آپ کی مسجد میں حاضری ضروری تھی جن تک اذان کی آواز پہنچ جائے، الّا یہ کہ غیر حاضری کے لیے کسی کے پاس کوئی عذر ہو۔ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے :عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ، قَالَ :مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِهِ، فَلَا صَلَاةَ لَهُ، إِلَّا مِنْ عُذْرٍ . (سنن ابن ماجہ، رقم 793)

عذر کی بنا پر رفع حرج اور آسانی دینے کے قرآنی اصول پر جمعہ و جماعت سے رخصت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعض صحابہ کے علم و عمل کی روایتوں سے ثابت ہے۔ اِس باب کی بعض روایتیں درج ذیل ہیں:

۱۔ عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ، أَذَّنَ بِالصَّلَاةِ فِي لَيْلَةٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَرِيحٍ، ثُمَّ قَالَ :أَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَالِ، ثُمَّ قَالَ :إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ كَانَ يَأْمُرُ الْمُؤَذِّنَ إِذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ ذَاتُ بَرْدٍ وَمَطَرٍ، يَقُولُ :أَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَالِ. نافع کا بیان ہے کہ ایک رات سردی اور سخت ہوا چل رہی تھی۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اذان دی، پھر کہا :لوگو، اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو۔ اِس کے بعد اُنھوں نے کہا :جب کبھی رات کو ٹھنڈ اور بارش ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مؤذن کو حکم دیتے کہ وہ اذان میں کہے :لوگو، اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو۔ (صحیح بخاری، رقم 666۔ صحیح مسلم، رقم 697)۔

۲۔ حَدَّثَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْحَارِثِ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ لِمُؤَذِّنِهِ فِي يَوْمٍ مَطِيرٍ :إِذَا

قُلْتَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، فَلاَ تَقُلْ حَيَّ عَلَى الصَّلاَةِ، قُلْ " :صَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ"، فَكَأَنَّ النَّاسَ اسْتَنْكَرُوا، قَالَ :فَعَلَهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي، إِنَّ الجُمْعَةَ عَزْمَةٌ وَإِنِّي كَرِهْتُ أَنْ أُحْرِجَكُمْ فَتَمْشُونَ فِي الطِّينِ وَالدَّحَضِ . **عبداللہ بن حارث کا بیان ہے کہ عبد اللہ بن عباس نے ایک بارش والے دن (جمعے کی اذان کے موقع پر) اپنے موذن سے کہا :** تم أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ **کے بعد** حَيَّ عَلَى الصَّلاَةِ **نہ کہنا، بلکہ اِس کے بجائے** :صَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ **(لوگو،) اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو کہنا۔لوگوں نے یہ سنا تو اُنھیں تعجب ہوا۔اِس پر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا : یہ اُس شخص (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا فعل ہے جو مجھ سے کہیں بہتر تھا۔ بلا شبہ، جمعے کی نماز فرض ہے، لیکن مجھے یہ بات بالکل پسند نہیں ہے کہ تمھیں تنگی میں ڈالوں اور تم (نماز کے لیے) کیچڑ اور پھسلن میں چلتے ہوئے آؤ (صحیح بخاری، رقم 901)۔**

٣۔ عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ، ذُكِرَ لَهُ :أَنَّ سَعِيدَ بْنَ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ، وَكَانَ بَدْرِيًّا، مَرِضَ فِي يَوْمِ جُمُعَةٍ، فَرَكِبَ إِلَيْهِ بَعْدَ أَنْ تَعَالَى النَّهَارُ، وَاقْتَرَبَتِ الجُمُعَةُ، وَتَرَكَ الجُمُعَةَ . **نافع سے روایت ہے کہ ایک جمعے کے دن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا گیا کہ سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رض جو جنگ بدر میں شریک تھے، بیمار ہو گئے ہیں۔اُس وقت دن روشن ہو چکا تھا۔ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو سوار ہو کر (تیمار داری کے لیے) اُن کی طرف چل دیے۔ پھر جمعے کا وقت قریب آ گیا اور اُنھوں نے نمازِ جمعہ ترک کر دی۔(صحیح بخاری، رقم 3990)**

٤۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :قَالَ النَّبِيُّ إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ عَلَى الطَّعَامِ، فَلاَ يَعْجَلْ حَتَّى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ مِنْهُ، وَإِنْ أُقِيمَتِ الصَّلاَةُ . **ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"تم میں سے کوئی شخص کھانا کھا رہا ہو تو اُس سے اپنی ضرورت پورا کرنے میں جلدی نہ کرے، (بلکہ اطمینان سے کھانا کھائے) اگرچہ نماز کھڑی ہو جائے (صحیح بخاری، رقم 674)۔**

٥۔عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ قَالَ :إِذَا حَضَرَ العَشَاءُ، وَأُقِيمَتِ الصَّلاَةُ، فَابْدَءُوا بِالعَشَاءِ . **انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے**

فرمایا: رات کا کھانا حاضر ہو اور نماز کی جماعت کھڑی ہو جائے تو پہلے کھانا کھا لیا کرو (صحیح مسلم، رقم 557)۔

٦۔ حَدَّثَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ قَالَ :إِذَا قُرِّبَ الْعَشَاءُ، وَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ، فَابْدَءُوا بِهِ قَبْلَ أَنْ تُصَلُّوا صَلَاةَ الْمَغْرِبِ، وَلَا تَعْجَلُوا عَنْ عَشَائِكُمْ .انس بن مالک کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رات کا کھانا پیش کر دیا جائے اور نماز کا بھی وقت ہو جائے تو مغرب کی نماز پڑھنے سے پہلے (اطمینان سے) کھانا کھا لیا کرو اور کھانا چھوڑ کر (نماز کے لیے) عجلت نہ کیا کرو (صحیح مسلم، رقم 557)۔

٧۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنِ النَّبِيِّ قَالَ :مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الْبَقْلَةِ، الثُّومِ -وقَالَ مَرَّةً :مَنْ أَكَلَ الْبَصَلَ وَالثُّومَ وَالْكُرَّاثَ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَتَأَذَّى مِمَّا يَتَأَذَّى مِنْهُ بَنُو آدَمَ . جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے یہ سبزی، یعنی لہسن کھایا -اور ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: جس نے پیاز، لہسن اور گندنا کھایا تو وہ ہرگز ہماری مسجد کے قریب نہ آئے، اِس لیے کہ فرشتے بھی اُن چیزوں سے اذیت محسوس کرتے ہیں جن سے بنی آدم کو اذیت پہنچتی ہے (صحیح مسلم، رقم 564)۔

٨۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ :إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ج يَقُولُ :لَا صَلَاةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ، وَلَا هُوَ يُدَافِعُهُ الْأَخْبَثَانِ . سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: کھانا سامنے آ جائے تو نماز نہیں پڑھنی چاہیے اور نہ وہ شخص نماز کے لیے حاضر ہو جس پر رفع حاجت کا تقاضا غالب ہو (صحیح مسلم، رقم 560)

٩۔ اِسی طرح معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرض وفات میں نماز پڑھانے کے لیے باہر تشریف نہیں لائے اور آپ نے ہدایت فرمائی تھی کہ ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں (صحیح بخاری، رقم 678)۔

[جاری ہے]

پروین سلطانہ حنا

غزل

کھڑا ہو تیرے مقابل مجال کس کی ہے
بساطِ وقت جو پلٹے، وہ چال کس کی ہے

نہیں ہے جلوہ نما تو جو دشت و صحرا میں
تو پھر یہ خوبیِٔ چشمِ غزال کس کی ہے

کوئی تو ہے جو شگوفوں میں رنگ بھرتا ہے
گلوں میں خوشبوئے رنگِ جمال کس کی ہے

چمکتی برف سے ظاہر ہے حسنِ پوشیدہ
ہمالیہ نے جو اوڑھی ہے شال کس کی ہے

ڈٹے ہوئے ہیں محاذوں پہ سر پھرے کچھ لوگ
انھیں بچاتی ہے دشمن سے ڈھال کس کی ہے

جو بندھ باندھ کے دریا کو موڑ دیتے ہیں
چٹان حوصلے جیسی مثال کس کی ہے

ملا ہے جو بھی جسے ہے عطائے ربّ ِ کریم
قبائے قامتِ زیبا پہ شال کس کی ہے

ہے میری ذات میں موزونیِٔ طبع جو حنا
سخن میں خوبیِٔ ذوقِ جمال کس کی ہے

ابو یحییٰ کے ناول

جو آپ کی سوچ، زندگی اور عمل کا محور بدل دیں گے

جب زندگی شروع ہوگی

ایک تحریر جو ہدایت کی عالمی تحریک بن چکی ہے

قسم اس وقت کی

ایک منکرِ خدا لڑکی کی داستان سفر، جو سچ کی تلاش میں نکلی تھی

آخری جنگ

شیطان کے خلاف انسان کا اعلان جنگ

خدا بول رہا ہے

عظمتِ قرآن کا بیان ایک دلچسپ داستان کی شکل میں

Please visit this link to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

www.inzaar.org

To get Abu Yahya Quotes Join us on twitter:

Twitter ID: @AbuYahya_inzaar

To read Abu Yahya articles regularly Join us on Facebook

Abu Yahya Page: www.facebook.com/abuyahya.inzaar

Abu Yahya Account: www.facebook.com/abuyahya.jzsh

Join us on Youtube

Search inzaar on YouTube to see our audios and lectures

To get monthly books, CDs/USB and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Paksitan, contact # 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit www.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to globalinzaar1@gmail.com

Following material in audio form is available on USB/CD:

Quran Course by Abu Yahya

Quran Translation and Summary by Abu Yahya

Islahi Articles

Jab Zindagi Shuru Hogi (book)

Qasam Us Waqt Ki (book)

Aakhri Jang (book)

ماہنامہ
اِنذار

فون: 0332-3051201 , 0312-2099389

ای میل: globalinzaar@gmail.com

web: www.inzaar.org

ایک دعوتی واصلاحی رسالہ ہے۔ اس کا مقصد لوگوں میں ایمان واخلاق کی دعوت کو عام کرنا ہے۔ اس دعوت کو دوسروں تک پھیلانے میں ہمارا ساتھ دیجیے۔ یہ رسالہ خود بھی پڑھیے اور دوسروں کو بھی پڑھوایئے۔ اپنے کسی عزیز، دوست، ساتھی یا رشتہ دار کے نام سال بھر رسالہ جاری کروانے کیلئے:

فی کاپی سالانہ سبسکرپشن چارجز: 900 روپے (کراچی رجسٹرڈ پوسٹ)، 600 روپے (بیرون کراچی نارمل پوسٹ) اور VP کی صورت میں ڈاک خرچ 150 روپے سالانہ۔ ایجنسی ڈسکاؤنٹ 20 فیصد ہے۔ ایجنسی ڈسکاؤنٹ کے لیے کم از کم ہر ماہ پانچ رسالے لینا ضروری ہے۔

سبسکرپشن چارجز مندرجہ ذیل پر ارسال کریں	
Easy Paisa	Muhammad Shafiq 0334-3799503 CNIC # 42201-8355292-9
Money Order	Monthly Inzaar 4th Floor Snowhite Centre Abdullah Haroon Road Opp. Hotel Jabees Saddar Karachi
Account	Title of Account: Monthly Inzaar A/C # 0171-1003-729378 Bank Al Falah Saddar Branch Karachi.

آپ سے درخواست ہے کہ سبسکرپشن چارجز بھیجنے کے بعد اپنے نام اور موبائل نمبر کے ساتھ نیچے دیے ہوئے نمبر پر کال یا SMS ضرور کریں تاکہ آپ کے رسالے کی سبسکرپشن کی جا سکے۔ مزید معلومات کے لیے ان نمبرز پر رابطہ کریں۔ شکریہ

0332-3051201 , 0312-2099389

اگر آپ ہماری دعوت سے متفق ہیں تو ہمارے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں، اس طرح کہ آپ:

1) ہمارے لیے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے

2) 'ماہنامہ انذار' کو پڑھیے اور دوسروں کو پڑھوایئے

3) تعمیرِ ملت کے اس کام کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے یہ رسالے کی ایجنسی لیجیے

Monthly
INZAAR

DEC 2020
Vol. 08, No. 12
Regd. No. MC-1380

Publisher: Rehan Ahmed Printers: The Sami Sons Printers,
25-Ibrahim Mansion, Mill Street, Pakistan Chowk, Karachi